ابتدائیہ

اس شمارہ سے متعلق

اگست کی 15 تاریخ کو راقم الحروف کی والدہ محترمہ اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف منتقل ہوگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی تجہیز وتکفین، تعزیت کے لئے آنے والے لوگوں کے ساتھ مشغولیت، گھر کے انتظامات کی بنا پر کئی دن مشغول ہوگئے۔ ماہنامہ النور کے اکثر مضامین تیار تھے صرف اداریہ باقی تھا۔ گھر میں احقر چونکہ والدہ محترمہ کی اولادوں میں سب سے بڑا ہے۔ اس لیے گھر میں کافی وقت دینا پڑا، مصروفیت کافی رہی۔ اس بنا پر شمارہ کی تکمیل کے لیے وقت دستیاب نہ ہوسکا۔

مشورہ میں یہ طے پایا کہ مزید تاخیر سے بچنے کے لیے اگست اور ستمبر کے دونوں شماروں کو اکٹھا کیا جائے۔ اگست کی 26 تاریخ سے ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوا اس سے قبل صفر المظفر کا مہینہ چل رہا تھا اس اعتبار سے قمری تاریخوں سے یہ شمارہ صفر المظفر اور ربیع الاول کا مشترک شمارہ قرار پائے گا۔ لہٰذا اب یہ زیر نظر شمارہ دو ماہ کا مشترک شمارہ بنا دیا گیا۔

تمام مضامین تفسیر حدیث، سیرت، تاریخ اور دیگر مضامین کے صفحات میں اضافہ کیا گیا۔ اس طرح سے ان مضامین کی ضخامت بھی بڑھ گئی۔

وفیات کے حصے میں بھی دو ماہ میں راہ آخرت کو سدھارنے والے کافی حضرات کا تذکرہ ان صفحات میں آ گیا اس کی وجہ سے ان صفحات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا۔ اس طرح سے ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے کام طویل ہوگیا۔ اور اب یہ شمارہ

****

بجائے اگست کے قارئین گرامی کے ہاتھوں میں ان شاء اللہ ستمبر میں پہنچ جائے گا۔

امید ہے کہ گرامی قدر قارئین تاخیر کے اس سبب اور عذر پر مطلع ہوکر معذرت کو قبول فرمائیں گے اور اس تاخیر سے انتظار کی جو تکلیف انہیں ہوئی اس کو معاف فرمائیں گے۔

والعذر عند کرام الناس مقبول

اللہ تعالی آپ سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور صحت وسلامتی کے ساتھ باقی رکھے آمین۔ نیازمندانہ گذارش ہے کہ والدہ مرحومہ کے لیے مغفرت اور بلندئ درجات کی دعا فرمائیں نوازش ہوگی۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

اس بات کا بیان کرنا بھی مناسب ہے کہ والدہ مرحومہ کی وفات کا تذکرہ احقر نے لکھنا شروع کیا، یکسوئی نہ ملنے کی وجہ سے مختلف مجالس میں مختلف ٹکڑوں میں سپرد قلم کیا اور بے ترتیب مگر کچھ طویل ہوگیا۔ بہتر سمجھا گیا کہ اس کو الگ سے شائع کرنے کے بجائے اسی شمارہ کا حصہ بنایا جائے اور شائع کرنے کے لئے اس پر آنے والے صرفہ کو النور کے ہی تعاون میں ذاتی طور پر ہم لوگ شامل کرلیں اس سے النور کی مالی معاونت بھی ہوجائے گی اور مضمون بھی شامل اشاعت ہوجائے گا چنانچہ اس مضمون کو آخر میں ضمیمہ کے بطور پر شامل کردیا گیا۔ اللہ تعالی کے لئے کچھ مشکل نہیں اس تذکرہ میں آنے والے قابل نصیحت وعبرت واقعات کو نافع بنا کر مرحومہ کے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔ (آمین یارب العالمین)

محمد رحمت اللہ مدیر ماہنامہ النور

****

اسباق تفسیر

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قصّہ ہابیل وقابیل

اس تمہید کے بعد ان دونوں بیٹوں کا واقعہ قرآن کریم نے بیان فرمایا:

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِھِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ، یعنی ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی اپنی قربانی پیش کی، مگر ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔

لفظ قربانی، عربی لغت کے اعتبار سے اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے، اور اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔

اس قربانی کے پیش کرنے کا واقعہ جو صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ منقول ہے اور ابن کثیر نے اس کو علماء سلف وخلف کا متفقہ قول قرار دیا ہے کہ جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام دنیا میں آئے اور توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر ایک حمل سے ان کو دو بچے توام (جڑواں) پیدا ہوئے، ایک لڑکا اور دوسری لڑکی، اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں بجز بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا، اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا تھا تو اللہ جل شانہٗ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت آدم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرما دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو وہ تو آپس میں

****

حقیقی بھائی بہن سمجھے جائیں، اور ان کے درمیان نکاح حرام قرار پائے، لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی، بلکہ ان کے درمیان رشتۂ ازدواج ومناکحت جائز ہوگا۔

لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ حسین وجمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدشکل تھی، جب نکاح کا وقت آیا تو حسب ضوابطہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بدشکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی، اس پر قابیل ناراض ہوکر ہابیل کا دشمن ہوگیا، اور اس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میرے نکاح میں دی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا، اور ہابیل اور قابیل کے درمیان رفعِ اختلاف کے لئے صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے، یعنی ہابیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی، اور جس قربانی کو آگ نہ کھائے تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں، اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی، قابیل کاشتکار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ، گندم وغیرہ قربانی کے لئے پیش کیا، اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی، ہابیل کی قربانی کو کھا گئی،

****

اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہ گئی، اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم وغصہ اور بڑھ گیا، تو اس سے رہا نہ گیا، اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا لَاَقْتُلَنَّكَ ،یعنی میں تجھے قتل کرڈالوں گا۔

ہابیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کے بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی، جس میں اس کی ہمدردی وخیر خواہی بھی تھی کہ: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ، یعنی اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ متقی پرہیز گار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں۔ اگر تم تقویٰ وپرہیز گاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہوتی، تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہ ہوئی، اس میں میرا کیا قصور ہے۔

اس کلام میں حاسد کے حسد کا علاج بھی ذکر کر دیا گیا ہے، کہ حاسد کو جب یہ نظر آئے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص نعمت عطا فرمائی ہے جو اس کو حاصل نہیں تو اس کو چاہئے کہ اپنی محرومی کو اپنی عملی کوتاہی اور گناہوں کے سبب سے سمجھ کر ان سے تائب ہونے کی فکر کرے، نہ یہ کہ دوسرے سے اس نعمت کے زوال کی فکر میں پڑ جائے، کیونکہ یہ اس کے فائدہ کے بجائے ضرر کا سبب ہے، کیونکہ مقبولیت عند اللہ کا مدار تقویٰ پر ہے (مظہری)

قبولیت عمل کا مدار اخلاص وتقویٰ پر ہے

یہاں ہابیل وقابیل کی باہمی گفتگو میں ایک ایسا جملہ آ گیا جو ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے، کہ اعمال وعبادات کی قبولیت تقویٰ اور خوفِ خدا پر موقوف ہے، جن میں تقویٰ نہیں ان کا عمل مقبول نہیں، اسی وجہ سے علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ یہ

****

آیت عبادت گذاروں اور عمل کرنے والوں کے لئے بڑا تازیانہ ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت عامر بن عبداللہ اپنی وفات کے وقت رو رہے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو عمر بھر اعمال صالحہ اور عبادت میں مشغول رہے، پھر رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: تم یہ کہتے ہو اور میرے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گونج رہا ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ، مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری کوئی عبادت قابل قبول بھی ہوگی یا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا تو یہ وہ نعمت ہے کہ ساری زمین سونا بن کر اپنے قبضہ میں آ جائے تو بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہ سمجھوں۔

اسی طرح حضرت ابوالدردا، رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ بات یقینی طور پر طے ہو جائیکہ میری ایک نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول ہوگی تو میرے لئے وہ ساری دنیا اور اس کی نعمتوں سے زیادہ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو خط میں یہ نصائح لکھیں کہ: ''میں تجھے تقویٰ کی تاکید کرتا ہوں جس کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا، اور اہل تقویٰ کے سوا کسی پر رحم نہیں کیا جاتا، اور اس کے بغیر کسی چیز پر ثواب نہیں ملتا، اس بات کا وعظ کہنے والے تو بہت ہیں مگر عمل کرنے والے بہت کم ہیں''۔

اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے، اور جو عمل مقبول ہو جائے اسے چھوٹا کیسے کہا جاسکتا ہے۔ (ابن کثیر)

جاری

****

اسباق حدیث

حدیث کے اصلاحی مضامین

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

صحبت شیخ بجائے مفید ہونے کے مضر

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے ''اعتقاد وانکار'' ۔وہ مستقل اسی موضوع پر لکھا ہے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ سے میں نے ایک مرتبہ پوچھا تھا: شیخ کی صحبت میں کتنی مدت گزارنی چاہیئے؟ تو حضرت نے فرمایا: آج کل اکثر لوگوں کے مزاج ایسے بن گئے ہیں کہ ان کے مزاج میں اعتراض ہے۔ایسے لوگوں کے لئے شیخ کی صحبت بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہے۔ وہاں جاتے ہیں تو دل ہی دل میں اعتراض لے کر جاتے ہیں اور اعتراض ہی کرتے رہتے ہیں۔لہٰذا کوئی فائدہ تو ہوتا نہیں ہے، البتہ اور زیادہ خطرناک اور مشکل حالت بنا کر آجاتے ہیں۔اگر کسی کو اپنے مزاج کے مطابق یہ اندیشہ ہو تو حضرت فرماتے تھے کہ ایسے آدمی کے لئے تو دور ہی دور رہ کر خط وکتابت کے ذریعہ ہدایات حاصل کرتے رہنا مفید ہے۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ موانع اور رکاوٹ دور ہونے چاہئیں۔موانع میں سے ایک مانع تو ''بداعتقادی'' ہے۔

دوسرا مانع اور رکاوٹ ''غذا'' ہے۔غذا حلال ہونی چاہیئے۔حرام غذا کے ساتھ اہل اللہ کی صحبت کا اثر نہیں ہو پاتا۔ یہ بھی یاد رکھئے۔

تیسرا مانع اور رکاوٹ ''مجانست اضداد'' ہے یعنی اس لائن کے جو لوگ نہ ہوں ان سے تعلقات نہ بڑھائے۔ جو غلط صحبت والے ہیں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا

ترک کردے۔اگر ان کی صحبت چھوڑے بغیر اہل اللہ کی صحبت میں آؤ گے؛ تب بھی کما حقہ فائدہ نہیں ہوگا۔

اسی طرح ''بدنظری'' بھی خطرناک چیز ہے۔ بزرگوں کی صحبت میں رہتے ہوئے بدنظری کا ارتکاب کرے گا؛ تب بھی فائدہ نہیں ہوگا۔

مہمان خصوصی کے ساتھ طفیلیوں کا بھی اکرام

بہر حال! میں عرض کر رہا تھا کہ صحبت اہل اللہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی عادت چھڑا دیتے ہیں۔اس لئے اگر کوئی آدمی یہ چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنا ماحول چھوڑ کر نیک ماحول اختیار کرے۔اور جب تقویٰ حاصل ہو جائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ انہی انعامات واحسانات سے اس کو بھی نوازے گا جن سے اپنے نیک بندوں کو نوازتا ہے۔جیسے آپ کے یہاں کوئی بڑا مہمان یا بڑے بزرگ آئے ہوں اور ان کے ساتھ پانچ دس آدمی ہوں تو جو کھانا ان بزرگ کو کھلائیں گے، وہی ساتھیوں کو بھی کھلائیں گے۔جس کمرہ میں ان کو ٹھہرائیں گے، اسی کمرہ میں ان کے ساتھیوں کو بھی ٹھہرائیں گے۔کسی کو تقریر کے لئے بلاتے ہیں تو جس اسٹیج پر وہ بیٹھتے ہیں ان کے ساتھ آئے ہوئے بھی اسی پر بیٹھتے ہیں۔حالانکہ اصل اعزاز تو مہمان خصوصی کا مقصود ہوتا ہے لیکن ان کے ساتھیوں کا بھی اعزاز کیا جاتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی ہوتا ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا بہترین اندازِ بیان

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو گلستان کے اندر بہت اچھے انداز سے بیان کیا ہے:

دیدم گلِ تازہ چند دستہ ۞ بر گنبدے نہادہ از گیاہ بستہ
گفتم چہ بود گیاہِ ناچیز ۞ تا در صفِ گل نشیند او نیز
بگریست گیاہ وگفت خاموش ۞ صحبت نہ کند کرم فراموش
گرنیست جمال ورنگ وبویم ۞ آخر نہ گیاہِ باغِ اویم

(گلستان سعدی، باب۲، صفحہ۱۰۴)

فرماتے ہیں کہ میں نے چند پھولوں کو ایک گھانس کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا۔ آپ نے گلدستہ دیکھا ہوگا کہ اس کو تیار کر کے گھانس سے باندھتے ہیں اور وہ گھانس بھی اسی باغ سے لی جاتی ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک گلدستہ گھانس سے باندھا ہوا ایک گنبد پر رکھا ہوا دیکھا۔ میں کہنے لگا: یہ معمولی گھانس بھی پھولوں کی صف میں جا کر بیٹھ گئی، اس کو بھی یہ مقام مل گیا۔ میری بات سن کر گھانس رونے لگی اور کہنے لگی کہ چپ ہوجاؤ، جو شریف آدمی ہوتا ہے وہ صحبت کا فائدہ پہنچاتا ہے۔ اگرچہ میرے اندر پھول جیسی خوبصورتی بھی نہیں ہے۔ اس جیسا رنگ بھی نہیں ہے اور اس جیسی خوشبو بھی نہیں ہے، لیکن میں اسی باغ کی ایک گھانس ہوں، اس لئے مجھے بھی وہی مقام دیا گیا ہے۔

بہر حال! آدمی اگر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچانا چاہتا ہے، تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے جڑے ہوئے ہیں ان کے ساتھ جڑ جائے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے پیش کر دے۔ اس کا آسان طریقہ یہی ہے۔ اسی کو فرمایا: یَا أَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُو االتَّقُوْ االلّٰہَ وَکُوْنُوْ مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

----- *********** -----

گوشہ سیرت

پیشوایانِ مذاہب کے درمیان حیاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازات

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں شروع ہی سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں اور کتابوں کو بھیجتے رہے ہیں، قرآن مجید کے بیان کے مطابق کوئی قوم ایسی نہیں گذری، جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں آئے ہوں: ''وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ'' اور خود ان کی زبان میں اللہ کی کتاب نہ اُتاری گئی ہو: ''وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ'' نبوت کا یہ سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، دین وعقیدہ تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، جس کی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کا تصور ہے، لیکن انسانی ضرورتوں اور تمدنی ترقیوں کے لحاظ سے زندگی گزارنے کے قانون میں خالق کائنات کی طرف سے تھوڑی بہت تبدیلی کی جاتی رہی ہے، اس قانون کو 'شریعت' کہتے ہیں۔

اس لئے اب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی قیامت تک کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے کامل نمونہ اور مکمل رہنما ہے، یہ محض خوش گمانی نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے؛ کیوں کہ پوری انسانیت کے لئے وہی شخصیت نمونہ بن سکتی ہے، جس میں کم سے کم چار باتیں پائی جائیں، اول: یہ کہ

----- ********** -----

اس کی سیرت تاریخی طور پر محفوظ ہو اور ایسے مستند اور معتبر ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہو، جن پر ہم اعتماد کر سکیں، دوسرے: اس کا پیغام اور اس کا عطا کیا ہوا دستور زندگی تمام انسانیت کے لئے ہو، کسی مخصوص علاقہ یا نسل کے لوگوں کے لئے نہ ہو، تیسرے: اس کی سیرت زندگی کے ہر گوشہ کے لئے رہنمائی کرتی ہو اور اس کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کے بعد انسان اپنی زندگی میں کہیں کوئی خلا نہیں پائے، چوتھے: اس کی زندگی انسانیت کے لئے قابل اتباع بن سکتی ہو اور اس کی پیروی انسانی طاقت سے باہر نہیں ہو۔

تاریخی تحفظ

اب تاریخی تحفظ کے اعتبار سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دیکھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دو بنیادی ماٰخذ ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول، قرآن مجید کا حال یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے الفاظ؛ بلکہ اپنے رسم الخط اور لب ولہجہ کے ساتھ آج تک محفوظ ہے، آپ نے اپنی زندگی ہی میں خود اپنی نگرانی میں اس کی کتابت کرائی۔ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب قائم کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک سال بھی نہ گذر پایا تھا کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ سے نوشتے حاصل کر کے اس کو یکجا کیا اور لب ولہجہ کا جو ہلکا سا اختلاف تھا، اسے حضرت عثمان غنیؓ نے ختم کر کے اپنے عہدِ خلافت میں تمام لوگوں کو ایک ہی لہجہ پر متفق کر دیا۔ وہ اس وقت سے آج تک ہر دور میں ہزاروں لاکھوں سینوں میں من وعن محفوظ ہے اور قرأت میں کہیں کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے، جس کو معنی میں تغیر کی حد تک اختلاف کہا جا سکے۔

دوسرا ماٰخذ ''حدیث'' ہے، احادیث تمام کی تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ سے مروی ہیں، اس کے ایک قابل لحاظ حصہ کی کتابت خود آپ کے عہد میں ہو چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف سو سال بعد ہی احادیث کے بڑے بڑے مجموعے مرتب ہو گئے، ہر حدیث کی سند محفوظ ہے اور کتابوں میں درج ہے، سند میں آنے والے تمام راویوں کے حالات بھی محفوظ ہیں، انھیں دیکھ کر آج بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس حد تک مستند یا غیر مستند ہیں؟

تاریخی طور پر ایسا تحفظ کسی اور مذہبی پیشوا کے حصہ میں نہ آسکا، اب ظاہر ہے کہ تاریخی استناد اور تحفظ کے لحاظ سے ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ ہی کی ذات گرامی کی طرف رُجوع کریں۔

پوری انسانیت سے خطاب

دوسرے: کسی مذہب کے عالمگیر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری انسانیت کو مخاطب کرتا ہو اور وہ ان کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اس نقطہ نظر سے پیغمبر اسلام کو دیکھئے کہ قرآن نے صاف اعلان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہے: ''وَمَا أَرْسَلْنٰکَ إِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ'' نیز قرآن مجید کو تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا پیغام قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے: وَمَا أَرْسَلْنٰکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ نبوت میں حبش کے بلال بھی ہیں، روم کے صہیب بھی، فارس کے سلمان بھی ہیں، بنی اسرائیل کے عبد اللہ بن سلام بھی اور یمن کے ابو ہریرہ بھی (رضی اللہ عنہم) اس دربار میں نہ رنگ

کی بنیاد پر کوئی تفریق ہے نہ نسل کی بنیاد پر، نہ علاقہ کی بنیاد پر کوئی امتیاز ہے، نہ زبان کی بنیاد پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور ہی کو رد فرمایا کہ انسان پیدائشی طور پر اونچا اور نیچا ہوتا ہے۔

پوری زندگی میں رہنمائی

پوری انسانیت کے لئے اُسوہ ہونے کی تیسری بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کی سیرت میں زندگی کے تمام گوشوں کے لئے رہنمائی موجود ہو، اس کا بہترین نمونہ اگر کہیں مل سکتا ہے تو وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے، انسان خلوت میں ہو یا جلوت میں، بزرگوں کے ساتھ ہو یا عزیزوں کے ساتھ، بزم میں ہو یا رزم میں، دشمنوں کا سامنا ہو یا دوستوں کا، عدالت کی کرسی پر ہو یا خود مقدمہ کا فریق ہو، تخت اقتدار پر ہو یا کسی کے اقتدار کے تحت، استاذ ہو یا طالب علم، تجارت و کاروبار میں ہو یا اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں، رنج والم کی شام ہو یا مسرت وشادمانی کی صبح، فتح سے ہمکنار ہو یا شکست سے دو چار، اولاد ہو یا ماں باپ، شوہر و بیوی ہو یا بھائی بہن، مریض ہو یا معالج، تیمار دار ہو یا خود تیمارداری کا محتاج سرمایہ دار اور آجر ہو یا مزدور واجیر، قرض دہندہ ہو یا مقروض، دولت مند ہو یا غریب، جوان ہو یا بوڑھا، سفر میں ہو یا حضر میں، عالم ہو یا جاہل، خدا کی توفیق سے نیک عمل اس نے کئے ہوں یا اس کا دامن عمل گناہ سے آلودہ ہو، غرض ہر موقعہ پر اور ہر حالت وکیفیت میں اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔

****

بشری نمونہ

اب چوتھے نکتہ پر غور کیجئے، یہ بات اہم ہے کہ نبی فرشتہ یا دیوتا یا کسی دیوتا کا اوتار نہیں ہوتا؟ بلکہ وہ ایک انسان ہوتا ہے؛ کیوں کہ انسان مافوق العادت ہستی کو اپنے لئے اُسوہ نہیں بنا سکتا، انسان کے لئے وہی شخصیت نمونہ بن سکتی ہے، جس کو انسانی ضرورتیں پیش آتی ہوں اور جو انسان کو پیش آنے والے عوارض سے دو چار ہوتا ہو؛ تاکہ زندگی میں پیش آنے والے تمام رسائل کے لئے وہ اس کی شخصیت کو آئینہ بنائے، بعض مذاہب میں اوتار کا تصور ہے، یعنی خدا خود کسی شکل میں دنیا میں آجاتا ہے، وہ فضا میں اُڑتا ہے، اپنی قدرت سے مردہ کو زندہ کر دیتا ہے، اپنے ایک ہاتھ پر پورے پہاڑ کو اٹھالیتا ہے، انسانی جسم کے ساتھ جانور کے اعضاء کو جوڑ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ انسان کے لئے ایسی شخصیتیں نمونہ نہیں ہوسکتیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو بھوک بھی لگتی ہے، آپ بیمار بھی ہوتے ہیں، فتح پانے کے ساتھ ساتھ شکست سے دو چار بھی ہوتے ہیں، بیویاں ہیں، بال بچے ہیں، بھول چوک بھی ہوتی ہے، غرض کہ انسان کو جو کچھ پیش آتا ہے، وہ سب آپ کو بھی پیش آیا ہے، اہل مکہ کو یہی اعتراض تھا کہ آپ تو ہمارے ہی طرح چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، آپ نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ (۱) قرآن مجید نے آپ کی زبان سے ان کو جواب دلوایا کہ میں نے تو کسی اور مخلوق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے، میں تو خود اعتراف کرتا ہوں کہ میں تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں، فرق یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے: ’’ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ ‘‘ اس لئے آپ ہی کی شخصیت انسانیت کے لئے نمونہ عمل ہوسکتی ہے۔

****

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

مدینہ منورہ میں آمد

از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

۸؍ربیع الاول ۱۳ نبوت روز دوشنبہ (۲۳ ستمبر ۶۲۲ء) مطابق ۱۰؍تشری ۴۳۸۳ یہود تھی کہ خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں پہنچ گیا۔اہل یثرب نے جب سے سنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑ دیا ہے۔روز صبح سے سرِ راہ ہمہ چشم بن کر بیٹھ جاتے اور جب تک ٹھیک دو پہر نہ ہو جاتی' بیٹھے رہتے یہ بزرگوار ابھی واپس ہی گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے اور ایک شخص کے پکارنے سے سب جمع ہو گئے۔اور خیر مقدم اللہ اکبر کے ترانے گاتے ہوئے آفتابِ رسالت کے گرداگرد نور خیز شعاؤں کی طرح جمع ہو گئے۔اکثر مسلمان ایسے تھے جنہوں نے ہنوز دیدار پر انوار سے چشم ظاہر بین کو روشن نہ کیا تھا۔انہیں نبی اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ابوبکر کی شناخت میں اشتباہ ہو جاتا تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس ضرورت کو تاڑ گئے اور سر مبارک پر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے۔

خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پنجشنبہ تک یہاں ٹھہرا۔اور سہ روز قیام ہی میں سب سے پہلا کام یہاں یہ کیا خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔

اسی جگہ شیر خدا علیؓ مرتضیٰ بھی مکہ سے پا پیادہ سفر کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے،حضرت علیؓ چند روز مکہ میں حسبِ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

****

اس لئے رک گئے تھے کہ جن لوگوں کی امانتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں موجود تھیں۔وہ مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔

۱۲؍ربیع الاول ۱ھ ہجرت کو جمعہ کا دن تھا۔نبی قبا سے سوار ہو کر بنی سالم کے گھروں تک پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا۔یہاں سو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا۔

خُطبہ

خطب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی اوّل جمعة جمعها بالمدینة فی بنی سالم بن عوف:

الحمدللّٰہ احمدهٗ واستعینهٗ واستغفرهٗ واستهدیهٗ واومن بهٖ ولااکفرهٗ واعادی من یکفرهٗ واشهد ان لا الٰه الا اللّٰہ وحدهٗ لاشریک لهٗ وان محمداً عبدهٗ ورسولهٗ.ارسلهٗ بالهدیٰ والنور والموعظة علی فترة من الرسل و قلة من العلم وضلالةٍ من الناس وانقطاع من الزمان ودنوّ من الساعة وقرب من الاجل.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ' جو مدینہ پہنچ کر بنی سالم بن عوف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا۔

حمد و ستائش خدا کے لئے ہے۔میں اسکی حمد کرتا ہوں مدد بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں میرا ایمان اسی پر ہے میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت کرتا ہوں۔میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں۔وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بندہ اور رسول ہے۔اسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

****

من يطع اللّٰه و رسولهٗ فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى و فرط وضلّ ضلالاً بعيداً. اوصيكم بتقوى اللّٰه فانه خير ما اوصى به المسلم المسلم ان يحضه على الاخرة وان يامره بتقوى اللّٰه. فاحذروا ما حذركم اللّٰه من نفسه ولا افضل من ذلک نصيحة ولا افضل ذلک ذكراً. وانّ تقوى اللّٰه كمن عمل به على وجل ومخافة من ربه عون صدق على ماتبغون من الامر الاٰخرة ومن يصلح الذى بينهٗ وبين اللّٰه من امرهٖ فى السرّ و العلانية لا ينوى بذٰلک الا وجه اللّٰه يكن لهٗ ذكراً فى عاجل امره و ذخرا فى ما بعد الموت. حين يفتقرالمرأ الى ما قدم. وما كان سوى ذلک يودّ لو انّ بينها

کوہدایت نوراور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانہ میں بھیجا ہے۔جب کہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا پر نہ آیا تھا علم گھٹ گیااور گمراہی بڑھ گئی تھی، اسے آخری زمانے میں قیامت کے قریب اورموت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا۔جوکوئی خدااور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ یاب ہے اورجس نے اس کا حکم نہ مانا، وہ بھٹک گیا، درجہ سے گرگیا اورسخت گمراہی میں پھنس گیا۔ مسلمانو!میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں۔بہترین وصیت جومسلمان مسلمان کوکرسکتا ہے یہ کہ اسے آخرت کے لیےآمادہ کرے،اوراللہ سےتقویٰ کے لئے کہے ۔لوگو! جن باتوں سے خدانےتمہیں پرہیز کرنے کوکہاہے،ان سے بچنے کیلئے اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے۔یادرکھو! کہ اموراآخرت کے

****

وبينه امداًبعيدا. ويحذركم اللّٰه نفسهٗ واللّٰه رؤف بالعباد، والذى صدق قوله وانجز وعدهٗ لاخلف لذٰلک فانّهٗ يقول عزّوجل مايبدل القول لدىّ وما انا بظلام للعبيد. فاتقوا اللّٰه فى عاجل امركم و اٰجله فى السر والعلانية فانّه من يتق اللّٰه يكفر عنه سيئاتهٖ ويعظم له اجرا و من يّتق اللّٰه فقد فاز فوزاً عظيما وانّ تقوى اللّٰه يُوقّى مقته ويوقّى عقوبتهٗ ويوقّى سخطهٗ وان تقوى اللّٰه يبيض الوجوه ويرضى الرب ويرفع الدّرجة. خذوا بحظكم ولاتفرطوا فى جنب الله قد علمكم الله كتابه ونهج لكم سبيله ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين. فاحسنوا كما

بارے اس شخص کے لئے جوخدا سے ڈر کر کام کررہا ہے۔تقویٰ بہترین مدد ثابت ہوگا۔اورجب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ وظاہر میں درست کرے گا۔اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہوگی تو ایسا کرنا اس کے لئے دنیا میں ذکراورموت کے بعد (جب انسان کواعمال کی ضرورت وقدر معلوم ہوگی ۔)ذخیرہ بن جائے گا۔

لیکن اگرکوئی ایسانہیں کرتا (تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے)''انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے دور ہی رکھے جائیں۔خداتم کواپنی ذات سے ڈراتا ہے اورخدا تواپنے بندوں پرنہایت مہربان ہے''اورجس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا۔اوراس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت یہ ارشادی الٰہی موجود ہے۔''ہمارے یہاں بات نہیں بدلتی۔

****

احسن الله اليكم وعادوا اعداءَ الله وجاهدوا فى الله حق جهادهٖ هو اجتباكم و سماكم المسلمين. ليهلك من هلك عن بينةٍ ويحيىٰ من حىّ عن بينة ولاقوة الابالله فاكثروا ذكر الله واعملوا لما بعد اليوم فانهٗ من يصلح مابينه وبين الله يكفه الله مابينه وبين الناس ذٰلك بان الله يقضى على الناس ولا يقضون عليه ويملك من الناس ولايملكون منه.الله اكبر ولاقوه الا بالله العظيم ☆

اور ہم اپنے ناچیز بندوں پر ظلم نہیں کرتے''

مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ، ظاہر اور خفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیش نظر رکھو! کیونکہ تقویٰ والوں کی بدیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے تقوی والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے۔ یہ تقوی ہی ہے جو اللہ کی بیزاری عذاب اور غصہ کو دور کر دیتا ہے یہ تقویٰ ہی ہے جو چہرے کو درخشاں، پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کرتا ہے۔

مسلمانوں! حظ اٹھاؤ۔ مگر حقوق الٰہی میں فروگزاشت نہ کرو۔ خدا نے تم کو اس لئے اپنی کتاب سکھائی اور اپنا رستہ دکھایا ہے کہ راست بازوں اور کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔

لوگو! خدا نے تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو، اور جو خدا کے دشمن ہیں انہیں دشمن سمجھو اور اللہ کے راستے میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ تا کہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو۔ اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے۔ اور سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہیں۔ لوگو! اللہ کا ذکر کرو۔ اور آئندہ زندگی کیلئے عمل کرو۔ کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ درست

کر لیتا ہے ۔اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے معاملہ کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے اور اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ خدا بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کوئی اختیار نہیں۔ خدا سب سے بڑا ہے اور ہم کو نیکی کرنے کی طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے''

مدینہ میں داخلہ

نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوتے ہوئے اور اسی دن سے شہر کا نام ''مدینۃ النبی'' ہوگیا، جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔

داخلہ شاندار تھا، گلی، کوچے تحمید وتقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مرد، عورت، بوڑھے نور خدا کا جلوہ دیکھنے کے لئے سراپا چشم بن گئے تھے۔ تشریف آوری کے اس شکوہ واحتشام کو دیکھ کر اہل کتاب کے عالم سمجھ گئے کہ ''حبقوق نبی'' کی کتاب باب ۳ درس ۳ کا مطلب آج کھلا۔

''اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے'' کوہ فاران سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی'' انصار کی معصوم لڑکیاں پیارے لہجہ اور زبانوں سے اس وقت یہ چند اشعار گا رہی تھیں۔

اشرق البدر علینا	ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
من ثنیات الوداع	چودھویں کا چاند ہم پر چڑھا
وجب الشکر علینا	کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے

ما دعا للہ داعٍ — شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ایھا المبعوث فینا — ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی
جئت بالامر المطاع — بھیجنے والا ہے تیرا کبریا!

یہ انصار جن کی لڑکیوں نے یہ ترانہ سنجی کی ہے۔وہی ہیں جنہوں نے ۱۱،۱۲،۱۳ نبوت میں مکہ معظّمہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔یا وہ ہیں جو مصعب بن عمیری یا ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہا کی ہدایت سے اور تعلیم سے مدینہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔

بزرگ انصار کچھ بڑے مال دار یا صاحب ثروت یا کسی بڑی جاگیرو املاک کے مالک نہ تھے۔مگر دل کے ایسے غنی تھے'اسلام کے ایسے فدائی' مسلمان بھائیوں پر اتنے قربان تھے کہ جب کوئی مہاجر ننگی تلواروں کھچی ہوئی کمانوں سے جان بچا کر بھوکا پیاسا مدینہ میں جا پہنچتا تھا تو ہر انصاری یہ چاہتا تھا کہ وہ مہاجر اسی کے پاس ٹھہرے۔آخر قرعہ اندازی ہوتی اور جس کے نام پر قرعہ نکل آتا،وہ مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جاتا۔مکان،اسباب،روپیہ،زمین،مویشی غرض جو کچھ اسکی ملکیت میں ہوتا،اس کا آدھا حصہ اسی دن تقسیم کر دیتا اور پھر رات دن اس کی خدمت کے لئے مستعد رہتا۔اپنی خوش قسمتی پر شکر کرتا کہ خدا نے دین کے ایک بھائی کو اس کا حصہ دار بنایا۔

☆☆☆☆
☆☆☆

سابقین اوّلین رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

از: حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

سب سے پہلے آپ کی حرم محترم صدیقۃ النساء خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا اور بروز دوشنبہ شام کے وقت سب سے پہلے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی،لہٰذا اول اہل قبلہ آپ ہی ہیں (الاصابہ: جلد ۴/ص ۱۸۱)اور پھر ورقہ بن نوفل مشرف باسلام ہوئے بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ جو مدت سے آپ کی آغوش تربیت میں تھے دس سال کی عمر میں اسلام لائے اور بعثت سے اگلے روز بروز سہ شنبہ آپ کے ہمراہ نماز پڑھی (عیون الاثر: ض/۱/ص ۹۳)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بعثت سے اگلے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دین ہے،یہی دین لے کر پیغمبر دنیا میں آئے،میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ اسی کی عبادت کرو اور لات وعزیٰ کا انکار کرو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بالکل ایک نئی شے ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی جب تک میں اس کا ذکر اپنے باپ ابو طالب سے نہ کرلوں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔آپ پر یہ بات شاق گذری کہ آپ ﷺ کا راز کسی پر فاش ہو اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ اے علی! اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو اس کا ذکر کسی سے مت کرو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ایک رات گذرنے نہ پائی کہ دل میں اسلام ڈال دیا گیا جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گواہی دو کہ اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور لات و عزیٰ کا انکار کرو اور بت پرستی سے نفرت اور بیزاری ظاہر کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اور عرصہ تک (یعنی ایک سال تک جیسا کہ بعض روایت میں ہے) اپنے اسلام کو ابو طالب سے مخفی رکھا (البدایہ والنہایہ: ج ۱/ص ۲۴) بعد ازاں آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ اسلام لائے اور آپ کے ہمراہ نماز ادا کی۔

(عیون الاثر، ج ۱/ص ۹۴)

اسلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ:

جب تمام اہل بیت اسلام میں داخل ہوگئے۔ تب آپ نے احباب و مخلصین کو اس رحمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ میں داخل ہونے کی دعوت دی، سب سے پہلے آپ نے اپنے صدیق با اخلاق اور محبّ با اختصار رفیق قدیم اور ولی حمیم یعنی ابوبکر صدیق کو ایمان و اسلام کی دعوت دی۔ ابوبکر نے بلا کسی تامل اور تفکر کے اور بغیر کسی غور اور تدبیر کے اول وہلہ میں آپ کی دعوت کو قبول کیا

چشم احمد بر ابوبکرے زدہ   وز یکے تصدیق صدیق آمدہ

آپ نے صدق کو پیش کیا اور ابوبکر نے تصدیق کی اور تصدیق نے صدیق بنا دیا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ میں نے جس کسی پر بھی اسلام پیش کیا وہ اسلام سے کچھ نہ کچھ ضرور جھجکا، مگر ابوبکر کہ انہوں نے اسلام کے قبول کرنے میں ذرہ برابر کوئی توقف نہیں کیا؟ (عیون الاثر: ج ۱/ص ۹۵)

****

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ سب سے پہلے کون مسلمان ہوا (تو یہ ارشاد فرمایا کہ رجال احرار یعنی آزاد مردوں میں سب سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور لڑکوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

(البدایہ والنہایہ: ج ۳/ص ۲۹)

بدء الوحی کی روایات سے اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے مگر ان کا یہ تقدم موجب فضیلت و برتری نہیں، اس لئے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تو آپ کی بیوی تھیں اور آپ کے تابع تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صغیر السن تھے اور آپ کی آغوش تربیت میں تھے۔ گھر کی عورتوں اور بچوں میں یہ مجال نہیں ہوتی کہ وہ بڑے کی رائے کو دفع کرسکیں۔ بخلاف حضرت ابوبکر کے کہ وہ مستقل اور آزاد تھے کسی کے تابع اور زیر اثر نہ تھے ان کا بلا کسی تردد اور بلا کسی دباؤ اور بلا کسی کی تبعیت کے اسلام قبول کرنا موجب صد فضیلت ہے، نیز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام ان کی ذات تک محدود تھا بخلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ ان کا اسلام متعدی تھا اور خیر متعدی۔ خیر لازم سے افضل ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہوتے ہی اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ دعوت میں مصروف ہوگئے اور حضور پرنور کی مدد پہنچائی اور آپ کے لئے موجب تقویت بنے اور جناب علی رضی اللہ عنہ اس وقت ایک صغیر السن بچے تھے وہ دعوت اسلام میں کیا مدد دے سکتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اپنے اسلام کو اپنے باپ سے بھی چھپائے ہوئے تھے (دیکھو زرقانی

****

ص؍۲۴۴، ج؍۱) اور ابو طالب کی غربت کی وجہ سے حضور پر نور ﷺ کی تربیت میں تھے نیز بچوں کی عادت یہ ہے کہ جب وہ کسی صحبت اور تربیت میں ہوتے ہیں تو جو کام اس کو کرتے دیکھتے ہیں اس کی ریس میں وہی کام کرنے لگتے ہیں، بچوں میں کسی کام کے نفع اور ضرر اور حسن وقبیح کے سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت اور تمیز نہیں ہوتی ۔یہی حال اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا بخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ بڑے عاقل اور ہوشمند زیرک تھے اور نفع اور ضرر اور حسن وقبیح میں تمیز کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے ہم عمر تھے اور مکہ کے ذی ثروت اور ذی شوکت اور ذی اثر لوگوں میں سے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسی حالت میں بلاکسی دباؤ کے اول وہلہ میں اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور لوگوں پر اپنے اسلام کو ظاہر کیا ۔کسی بھائی اور باپ سے اپنے اسلام کو مخفی نہیں رکھا اور اپنے احباب خاص پر خاص طور پر اسلام کو ظاہر کیا اور اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دی، ایسا اسلام موجب صد فضیلت ہے۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے شخص تھے جو کہ آزاد اور مستقل تھے اور ہوشمند اور صاحب شوکت ومرتبت تھے، وہ اول وہلہ میں اسلام لائے اور ابتداء ہی سے دعوت اسلام میں آنحضرت ﷺ کے دست وبازو بنے اور مال ومتاع اور زندگی کا کل سرمایہ اسلام کے لئے وقف کردیا اور کامل تیرہ سال تک ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت میں آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا اور دشمنوں کی مدافعت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کم سن ہونے کی وجہ سے دشمنوں کی مدافعت اور ان کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔

****

......مت پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی...... (قسط نمبر ۴۸)

از: مولانا مفتی سید محمد اسحاق نازکی قاسمی صاحب

دار العلوم دیوبند کا قیام اور حضرت گنگوہیؒ کی شرکت

پہلے سفر محمود سے بعافیت واپسی کے بعد آپؒ مسلسل دس سال تک اپنے وطن قصبہ گنگوہ میں قیام پذیر رہے۔ درس وتدریس، تعلیم وتبلیغ، افتاء وارشاد، تزکیہ وسلوک اور اوراد واذکار میں رات ودن مشغول رہتے تھے۔ خواص بیعت ہوتے رہے اور بڑے بڑے اکابر علماء وفضلاء داخل درس وسلسلہ ہوئے جو بعد میں آپ کے جانشین یعنی خلفاء بن گئے جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی پہلے آچکے ہیں:

حضرتؒ جم کر کام کرنے کے قائل تھے، اس لئے سفر کرنے سے ممکن حد تک احتراز کرتے تھے مگر وہ مبارک سفر جو برصغیر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنا اور وہ سفر جو حرمین شریفین (زادهما الله شرافةً) کے بعد سب سے زیادہ بابرکت سفر ثابت ہوا وہ بغداد ثانی دیوبند سربلند کا بابرکت سفر تھا۔

یوں تو دار العلوم دیوبند کی بنیاد ایک انار کے درخت کے نیچے مسجد چھتہ کے صحن میں بغیر کسی پیشگی اعلان واہتمام کے ایک استاذ (مُلّا محمودؒ) اور ایک طالب علم (محمود حسنؒ) سے ۱۵؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق 30؍مئی 1867ء میں بروز جمعۃ المبارک پڑی تھی۔ حضرت نانوتویؒ اس کے روح رواں تھے اسی لئے آپ کو ''دار العلوم کے بانی اعظم'' سے جانا جاتا ہے۔ یہ دار العلوم جو کچھ مدت تک تاریخی مسجد چھتہ میں پھر بعد میں دیوبند سربلند کی مرکزی وپرشکوہ جامع مسجد میں چلتا رہا۔

****

کوئی ۷؍سال بعد اس کا پہلا عظیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۲۹۰ھ مطابق 1873ء میں منعقد ہوا جس میں حضرت محدث سہارنپوریؒ یعنی حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ (شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی مہاجر مکیؒ) اور حضرت گنگوہیؒ کو خصوصیت کے ساتھ دعوت دی گئی تھی۔ اس طرح ان دو بزرگوں کے خلفاء اور تلامذہ سبھوں نے اس مبارک جلسے میں شمولیت کی۔

ادھر حضرت نانوتویؒ نے شرکائے مجلس کے سامنے یہ رائے رکھی کہ ''اس وقت اس جلسے کے بہانے امت کی کریم جماعت صلحاء وعلمائے ربانیین بھی موجود ہے مدرسہ نے پہلے ہی پاس میں ایک زمین خرید لی ہے مناسب ہے کہ آج ہی اس کی سنگ بنیاد رکھی جائے''۔ سبھوں نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ چنانچہ تمام حضرات وہاں پہونچے جہاں بنیاد کھودی گئی تھی تو سب سے پہلے حضرت محدث سہانپوریؒ (نے پہلی اینٹ) پھر جنید زمان حضرت حاجی سید عابد حسین صاحبؒ نے دوسری اینٹ پھر تیسری اینٹ حضرت نانوتویؒ نے پھر حضرت گنگوہیؒ نے پھر حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ نے ایک ایک اینٹ رکھی۔ تعمیر کا آغاز اگلے سال ۱۲۹۳ھ میں ہوا (تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۱)

بعض کتابوں میں پہلی اینٹ رکھنے کے بعد اُویس دوران حضرت میاں جی منے شاہ صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کے سخت اصرار پر دوسری اینٹ رکھی۔

(دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات ۳۱)

حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی

جب تک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بقید حیات تھے تو آپؒ

****

دارالعلوم کی کلی نگرانی فرماتے رہے ساتھ ہی ساتھ مختلف شہروں اور دور دراز علاقوں مین خطابات کے ساتھ ساتھ مدارس ومکاتب کا قیام اور باطل فرقوں عیسائیوں، آرائیوں اور ملحدین کی سرکوبی کرنا بصورت تحریر وتقریر ومناظرہ آپ کے شب وروز کے مشاغل مبارکہ تھے۔ جب بچپن سے پچپن تک کا یہ ساتھی مخلص دوست حضرت اللہ جل مجدہ کے یہاں چل (۱۲۹۷ھ میں) دیا تو اس کا جتنا غم حضرت گنگوہیؒ نے محسوس کیا شاید ہی اتنا کسی نے محسوس کیا ہو۔ بالآخر باہمی مشورے سے آپ کا نام بحیثیت سرپرست منظور ہوا تو حضرت گنگوہیؒ نے بوجہ مجبوری سرپرستی قبول فرمائی اس کے بعد آپؒ کا گنگوہ سے دیوبند آنا جانا رہا۔

مادر علمی میں جلسہ ہائے دستار بندی

پہلا جلسہ ۱۲۹۰ھ میں ہوا، دوسرا جلسہ ۱۲۹۲ھ میں ہوا پھر تیسرا جلسہ ہوا ان میں بالترتیب پانچ، پانچ اور سات فضلائے کرام کی دستار بندی ہوئی پھر چوتھا جلسہ (جو حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی میں پہلا جلسہ تھا) ۱۳۰۱ھ مطابق 1883ء میں ہوا۔ اس جلسہ میں گیارہ (11) حضرات کی دستار بندی ہوئی۔ تمام شرکائے جلسہ کے لئے قیام وطعام کا انتظام سرزمین دیوبند کے بہت بڑے دین دار رئیس کی طرف سے ہوا۔ یہ جلسہ مسجد چھتہ کے بجائے دارالعلوم دیوبند کی نئی عمارت اور اس کے سامنے کھلے صحن میں ہوا تھا۔

حضرت گنگوہیؒ کے مبارک ہاتھوں جن گیارہ (11) فضلاء کرام کی دستار بندی ہوئی ان میں (۱) حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ (جو اپنے دور میں تصوف وتفسیر وفقہ کے مجدد تھے) اور (۲) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ بھی تھے (جو شیخ الحدیث مہاجر مدنی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

****

کاندھلویؒ کے والد بزرگوار تھے اور دونوں حضرت گنگوہیؒ سے براہِ راست فیض یافتہ تھے)۔رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔

اس مبارک تقریب سے فارغ ہوکر بعض اہم انتظامی امور کے حوالے سے حضرت گنگوہیؒ نے دارالعلوم دیوبند میں چندروز کے لئے قیام فرمایا۔حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحبؒ (مہتمم ثانی) اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (اول صدرالمدرسین) کی درخواست پر مرکزی جامع مسجد دیوبند مین بروز جمعہ بعد نماز جمعہ بیان فرمایا اور خصوصی دعا خوب گڑگڑا کر کی۔ یہاں سے رخصت ہوئے تو اکابر مظاہرعلوم سہارنپور کے بے حد اصرار پر سہارنپور تشریف لے گئے جہاں چند فضلائے کرام مثلاً حضرت مولانا فخرالدین صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد جان صاحب پنجابیؒ (قاضی ریاست ٹونک) کے سروں پر آپؒ ہی کے مبارک ہاتھوں دستارفضیلت باندھی گئی پھر یہاں سے سیدھے گنگوہ تشریف لے گئے۔

حیات مستعار کے آخری ایام

رات ودن کی ازحد مصروفیات ، دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی کی بھاری ذمہ داری،عوام وخواص کا بے پناہ رجوع،ادھر دن بہ دن عمر رسیدگی کی وجہ سے ضعف ونقاہت بڑھتی جارہی تھی جس کے نتیجے میں اب مسجد وخانقاہ تک ہی حضرتؒ کی آمد ورفت محدود ہوگئی تھی کہ انھیں ایام میں بھوپال ریاست کی حکمراں خاتون جہاں بیگم بیعت کے لئے اپنی پوری جماعت کے ساتھ حاضر ہوئی۔ بالآخران کی طرف سے ازحد اصرار اور بار بار گزارشات کے بعد حضرت نے انھیں اپنے مبارک سلسلے میں داخل فرمایا، یہ سب قاضی بھوپال کی معرفت ہوا۔(یادرہے بھوپال کے حکمران

****

بڑے دین دار،علم نواز اور محبّ علماء واولیاء رہے ہیں۔

عمر کے آخری لمحات میں بھی عصائے پیری اور حاضر باش حضرات کے سہارے مسجد سے خانقاہ اور خانقاہ سے مسجد آنا جانا کبھی چھوٹا نہیں حتی کہ ایک دن بھی بستر علالت پر نہیں لیٹے،کسی طرح کی تکلیف یا مرض یا درد کی شکایت کبھی نہیں کی۔ بلکہ صبر وشکر کے پیکر محسوس بنتے رہتے حتی کہ نماز بھی پڑھاتے رہے اور بیان بھی فرماتے رہے اس طرح ضعف طبعی اور مرض لاحق پر قابو یافتہ تھے۔سُبُحَانَ اللّٰه! اور جس سال آپ کا وصال ہوا اس سال عیدگاہ میں نماز بھی پڑھائی، بیان بھی فرمایا اور خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔ وہ منظر بھی قابل دید تھا کہ مشائخ عظام واکابر علماء آپ کی پالکی کو کندھا دے کر عیدگاہ لائے پھر عیدگاہ سے خانقاہ لائے اور ہر کوئی اس پالکی کو سہارا دینے کو اپنی بڑی سعادت سمجھتا تھا۔

۲۷/جمادی الاولیٰ سن ۱۳۲۳ھ مطابق 31 جولائی 1908ء یوم دوشنبہ (پیر) بعد نماز عشاء آرام کی غرض سے بستر پر دراز ہوئے۔ خدام اور حاضر باش حضرات موجود تھے کہ بحکم الٰہی جسم پر شدت کے ساتھ کپکپی طاری ہوئی یعنی بخار چڑھا پھر سردی کی کپکپی شروع ہوئی۔کئی رات اور دن اسی اضطرابی کیفیت میں گزرے جو بھی گھریلو علاج تھا وہ سب کیا گیا۔اب جمعہ کا دن آیا ممبئ سے ایک تجربہ کار حکیم محمد اسماعیل صاحب آئے انہوں نے بھی تشخیص مرض کیا لیکن کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکا۔اسی دوران کسی بدنصیب نے جادو بھی کیا اس طرح دو مبارک نعمتوں (سنتوں) کی دولت غیر اختیاری طور پر مل گئیں (سخت بخار اور سحر) تمام تدابیر ناکام بہرحال تقدیر غالب آئی الغرض اگلا دن جمعہ تھا پہلی اذان ہو چکی تھی کہ ۹/جمادی

****

الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق 11 اگست 1908ء کو ساڑھے بارہ بجے فرشتۂ اجل تشریف لائے اور امت کا یہ حکیم وفقیہ، وقت کا یہ قطب ارشاد، اپنے زمانے کا یہ امام اعظم اور بقول امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری نعمانی مسعودیؒ اپنے زمانے کا فقیہ النفس۔ جو ساری زندگی اپنے رب کو راضی کر کے مجاہدات وریاضات سے اپنے بدن کو خوب تھکا کر حیات مستعار کے ۷۸ سال ۷ ماہ اور ۳ دن پورے کر کے بارگاہ صمدانیت میں کلمۂ طیبہ کا زور زور سے ورد کر کے چل دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلِ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ وَاحْشُرْنَا مَعَہٗ آمین۔ اس طرح فقہ وتصوف اور تحقیق حدیث اور تزکیہ وسلوک کا یہ حسین اور روشن باب مکمل ہوا۔

مادۂ تاریخ وصال از اکابر علمائے کرام:

(۱) اِنَّہٗ فِی الآخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰالِحِیْنَ ۱۳۲۳ھ از حضرت شیخ الہندؒ (اسلام کا بطل جلیل)

(۲) کُنْتَ لَحَمِیْدًا لَمُتَّ شَہِیْدًا ۱۳۲۳ھ از حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (قطب دوران)

(۳) مَولَانَا عَاشَ حَمِیْدًا مَاتَ شَہِیْدًا ۱۳۲۳ھ از حضرت تھانویؒ (مجدد زمان وحکیم الامۃ)

(۴) وَحُیٌّ دَخَلَ الْبَلَدَ ۱۳۲۳ھ از حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مفتی)

سب کہاں؟ کچھ لالہ وگل میں! نمایاں ہوگئیں
خاک میں! کیا صورتیں ہوں گی؟ کہ پنہاں ہوگئیں

(جاری)

نوٹ: [اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا ذکر جمیل ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ]

****

وفیات

۱۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں استاذ حدیث حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی کے فرزند ارجمند کا وصال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، جنت نصیب فرمائے اور حضرت مولانا نیز دیگر سوگواران کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

۲۔ ناظم اعلیٰ دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کی والدہ مرحومہ مورخہ 15 اگست بروز جمعۃ المبارک کو انتقال کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مغفرت عطا فرمائے۔

۳۔ دارالعلوم رحیمیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نذیر احمد قاسمی کی والدہ نسبتی (ساس) کا بھی انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کی نماز جنازہ ان کے آبائی گاؤں......ڈوڈہ میں ادا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت عطا فرمائے۔

۴۔ بانڈی پورہ میں دعوت وتبلیغ کے قدیم خادم اور دارالعلوم رحیمیہ کے ابتدائی دور میں تعلیم بالغان درس تفسیر کے فیض یافتہ حاجی غلام حسن میر و برادران کی والدہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، جنت الفردوس عطا فرمائے۔ ناظم دارالعلوم رحیمیہ نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔

۵۔ دارالعلوم رحیمیہ کے سابق استاذ قاری محمد یاسین صاحب آغا کی ہمشیرہ کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

۶۔ دارالعلوم رحیمیہ سے فارغ التحصیل مولانا ریاض احمد میر واگورہ بارہمولہ بھی راہی دارالبقاء ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ موصوف نماز پڑھا کر کے مسجد سے نکل رہے تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑ گیا اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مولانا دارالعلوم رحیمیہ کے استاذ حدیث مفتی محمد عنایت اللہ صاحب کے درسی ساتھی تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر

****

جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

۷۔ دارالعلوم رحیمیہ کے شعبہ علوم عصریہ سے فارغ قدیم متعلم جناب اعجاز احمد دیوانی کی والدہ محترمہ کا بھی انتقال ہوگیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت عطا کرکے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

۸۔ خانقاہ محمودیہ کے قدیم ترین متعلق جناب عبدالقیوم صاحب کوکرناگ کے برادر نسبتی (بہنوئی) کا انتقال ہوگیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔اللہ تعالیٰ مغفرت عطا فرمائے۔

۹۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مدظلہ العالی کی ہمشیرہ محترمہ جو قاری عبدالرحمان صاحب استاد ادارہ و نائب مہتمم جامعہ کی بھی ہمشیرہ ہیں کا انتقال ہوگیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔جناب قاری محمد عبداللہ نے برطانیہ سے اطلاع دی، مرحومہ بھی وہیں مقیم تھیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطاء فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

۱۰۔ گجرات میں قراءت کے مشہور مرکز جامعۃ القراءت کفلیتہ کے بانی اور مہتمم حضرت قاری محمد اسماعیلؒ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

۱۱۔ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز، برطانیہ انگلینڈ کی موقر شخصیت، دارالعلوم ڈیوز بری مرکز (انگلینڈ) کے شیخ الحدیث، یعنی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد موسیٰ بدات صاحب رحمۃ اللہ علیہ (باٹلی، انگلینڈ) طویل علالت کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کی کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، پسماندگان و متعلقین ومتوسلین وشاگردانِ رشید کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

****

۱۲۔ حضرت اقدس مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی قدس سرہ کے پوتے جامعہ مدنیہ لاہور کے شیخ الحدیث و مہتمم حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب بھی طویل علالت کے بعد انتقال کرگئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔اللہ تعالیٰ مغفرت عطا فرمائے۔

۱۳۔ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ کے میزبانوں میں سے مدراس میل وشارم کے مشہور و معروف تاجر حاجی محمد ہاشم صاحب سیٹھ تاجر چرم کا انتقال ہوگیا۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔بہت بڑے تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ نہ صرف یہ کہ خود انتہائی دیندار تھے بلکہ مدارس، مکاتب، مساجد اور بہت سارے تعلیمی اداروں کے بانی اور سرپرست تھے۔علماء سے گہرا تعلق تھا، حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مدراس کے اعتکاف کے موقع پر ہزاروں علماء اور متعلقین کے ذاتی طور پر میزبان رہے۔اور تمام ہی لوگوں کو بنفس نفیس مع اپنے پورے خاندان کے میزبانی کا فریضہ انجام دیا مرحوم تمام ہی دینی، ملی تنظیموں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور سب کے ممبر بن کر ان کے کام میں شریک رہے۔اللہ تعالیٰ تمام خدمات کو قبول فرمائے اور امت کو نعم البدل عطاء فرمائے۔ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔اور ان کے جانشینوں کو ان ہی کی طرح فکر دین اور امت کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔

۱۴۔ دارالعلوم صدیقہ ہنجہال بانہال کے مہتمم جناب مولوی محمد یعقوب ربانی صاحب 21 جولائی 2025ء بروز سوموار کو اس دنیا فانی سے اچانک انتقال کرگئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون ۔مرحوم چلتے پھرتے تھے بظاہر کوئی بیماری نہیں تھی مگر وقت موعود آچکا تھا۔اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔

ناظم دارالعلوم نے خود جائے مقام پر پہنچ کر بانہال قصبہ سے دس پندرہ کلومیٹر اوپر پہاڑی علاقہ میں جہاں ان کا آبائی علاقہ ہے، نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازے میں ضلع

****

بھر کے تمام ہی علماء کرام اور عوام الناس شریک تھے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرما کر ان کے اہل وعیال اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

۱۵۔ دارالعلوم رحمانیہ کیلر شوپیاں کے بانی و مہتمم مولانا نذیر احمد صاحب قاسمی کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔موصوف دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی میں بہت نمایاں تھے اسلئے دورہ حدیث شریف میں اپنے درجے کے ترجمان منتخب ہوئے تھے جو وہاں پر بہت بڑا اعزاز ہے۔ وطن واپس آکر جذبۂ اشاعتِ علم میں مدرسہ قائم فرمایا اور اپنے روزگار کے لئے سرکاری محکمہ تعلیم میں بحیثیت ٹیچر کے خدمات انجام دیں۔ مدرسہ کے قیام کی برکت سے علاقہ میں حفاظ کلام اللہ، اور علماء تیار ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ مختلف مناسبتوں مثلاً جلسوں کے موقعوں پر بہت سے علماء کرام کی تشریف آوری علاقہ میں دینی ماحول بننے کا اور عوام الناس کو فیض ملنے کا سبب بنی۔ سنا ہے کہ طویل عرصے سے بیمار تھے ۔آخر کار داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور علاقے کو انکا نعم البدل عطاء فرمائے۔

۱۶۔ علاقہ گریز کے مشہور ومعروف خادم دین شعبۂ تعلیم کے قدیم استاذ مرحوم مولوی محمد انور صاحب سامون کی اہلیہ محترمہ کا بھی حال ہی میں انتقال ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ مرحومہ کے سارے ہی فرزندان تعلیم یافتہ اور حکومت جموں وکشمیر کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ اور مرحومہ کے رفیق حیات مولوی محمد انور صاحب بھی اگر چہ بحیثیت تحصیل ایجوکیشن آفیسر خدمات انجام دیتے رہے، مگر ان کی دینی خدمات اور بچوں کی دینی تعلیمات دینے کی وجہ سے مولوی صاحب کے نام سے ہی موسوم رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطاء فرمائے۔

****

۱۷۔ ابھی وٹساپ پر میرے استاد محترم مولانا عبد الشافی پرتا بگڈھی کے بمبئی میں انتقال کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے آمین یارب العالمین۔

مرحوم سے مدرسہ شمس العلوم ٹنڈ ھیڑہ ضلع مظفر نگر یوپی میں سال سوم عربی میں نحو کی معرکۃ الآراء کتاب شرح جامی کا درس نصیب ہوا۔ بہت زبردست تقریر فرمایا کرتے تھے کتاب کے حل کرنے میں کمال درجہ کی مہارت تھی۔ امام النحو حضرت علامہ صدیق صاحب کشمیری گوپال پوری جو اس زمانہ میں اس کتاب کے مایہ ناز استاذ مانے جاتے تھے کی درسی تقریر کی کاپی بھی اس حقیر کو عنایت فرمائی تھی جو احقر نے کئی کاپیوں میں نقل کی تھی۔ عبارت خوانی اور سبق میں ہمہ وقت حاضری کی بنا پر مرحوم احقر پر حد درجہ توجہ اور شفقت فرماتے تھے، بلکہ ایک دوبار مہتمم مدرسہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب پرتا بگڈھی کی جانب سے احقر کو اسی شفقت کی بنا پر گوشمالی سے بچایا کیونکہ مہتمم صاحب معاملات میں انتہا درجہ کے محتاط تھے ان کے پاس ہمارے درجہ کا ترجمہ قران کریم اور نفحۃ العرب کا درس بھی تھا۔ اللہ تعالی ان حضرات کے درجات کو بلند فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام مرحومین کے لئے دارالعلوم رحیمیہ میں دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کیا گیا۔
قارئین گرامی بھی دعائے مغفرت فرمائیں۔

اخبار دارالعلوم

ماہ صفر المظفر ۱۴۴۷ھ مکمل طور پر مدرسہ کے اندر تعلیمی سرگرمیوں میں مشغول گذرا۔ اس دوران اساتذہ، طلبہ اور منتظمین سبھی ذوق وشوق سے پڑھائی میں مشغول رہے۔ اس سال خلاف معمول یہاں کشمیر میں بھی گرمیاں شدید رہیں جس کی وجہ سے حکومت کے محکمہ تعلیم نے کچھ دن سکولوں

****

میں تعطیل کردی، کچھ دنوں کے بعد مارننگ ٹائم یعنی صبح سویرے سکولوں میں حاضری اور دوپہر کے بعد چھٹی کا اصول بھی اپنایا گیا۔ مدارس میں پہلے سے ہی فجر نماز کے بعد ہی تعلیمی اوقات شروع ہوتے ہیں اسلئے یہاں چھٹیوں کی ضرورت نہیں پڑی، البتہ کچھ زیادہ سویرے سے درجات کوشروع کیا گیا، یہاں تک کہ اگست کے اواخر میں بارشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس سے لوگوں نے کچھ راحت کی سانس لی۔ تاہم ان بارشوں کے نتیجے میں بعض علاقوں میں خصوصاً کشتواڑ اور جموں میں کافی نقصاں ہوا۔ اللہ کی مشیت کے تحت یہ فیصلے آتے ہیں۔ ان میں انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔

ابھی سردی ابھی گرمی ابھی برسات آتی ہے

توجہ دے اگر مومن، خدا کی یاد آتی ہے

ربیع الاول بھی اپنی مبارک یادوں کے ساتھ وارد ہوا۔ جس میں مدارس کے تعلیمی نظام کے مطابق پہلی ششماہی کے امتحانات منعقد کئے جاتے ہیں۔ جس کے بعد کچھ وقفہ آرام کے لئے بھی ملتا ہے۔ لیکن یہ وقفہ بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ دوسری جانب نئی ششماہی جس میں تکمیل نصاب کا بڑا فکر رہتا ہے کی تیاریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ ایام بھی کافی مشغول میں گذرتے ہیں۔

موجودہ دور میں عوام الناس کے اندر دین کی طرف کم توجہ ہونے کی بنا پر اس مہینے کو بیشتر علماء کرام، اور ائمہ عظام عوام الناس کو اس مہینے میں مختلف عنوانوں کے تحت دین کی طرف بلانے کی اور دینی جذبہ بیدار کرنے کی تحریری، تقریری کوششیں کرتے ہیں۔ بعض لوگ اخبارات میں مضامین، مقالے اور رسائل شائع کرتے ہیں۔ اس طرح سے یہ مہینہ بھی کافی مشغول گذرتا ہے۔

۳۱ / اگست کو جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں صد سالہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں ناظم دارالعلوم رحیمیہ مدعو تھے۔ مورخہ ۳۰ / اگست کو موصوف اپنے رفیق سفر مفتی سجاد حسین استاذ دارالعلوم رحیمیہ کے ساتھ ڈابھیل کے لئے روانہ ہوگئے، اور اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اجلاس کے سلسلے میں اجمالی تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔ انشاء اللہ

****

ضمیمہ

میری والدۂ مرحومہ

از: محمد رحمت اللہ

صفر المظفر کی ۲۰ تاریخ تھی، اگست کی پندرہ (15)۔ جمعہ کا دن تھا۔ ڈاکٹروں نے خود مجھے بلڈ پریشر کے چیک اپ کے بعد دل کا ای.سی.جی ٹیسٹ کرا کے اینجیو گرافی کرانے کے لئے ہدایت دے دی تھی۔ جس کی وجہ سے احقر مدرسہ میں دن بھر آرام ہی کرتا رہا۔ بہت ساری جگہوں کے تقاضوں کے باوجود نہ ہی جمعہ پر کسی جگہ جانے کیلئے طبیعت آمادہ ہوئی نہ ہی اہل مدارس کے شدید تقاضوں کے باوجود کسی جگہ وعدہ دے رہا تھا۔ جس کی بہت بڑی وجہ اپنی طبیعت کی خرابی سے زیادہ اپنی والدہ محترمہ کی علالت تھی جو عرصہ دراز سے بستر علالت پر تھیں۔ ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال رہی ہوگی اور چند دنوں قبل ان پر (اسٹروک) فالج کا حملہ آتے آتے رہ گیا تھا، تاہم قوت گویائی کو یہ اسٹروک متأثر کر چکا تھا جس کی بنا پر ہم لوگ بہت دعائیں کر رہے تھے اور ان کے پاس موجود رہنا چاہتے تھے۔ اور ان سے دور رہنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

قرآن پاک نے اپنے خاص انداز میں والدین کے حقوق کو بہت ہی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا** . یہاں ایک طرف رب العالمین نے اپنی وحدانیت بیان کر کے عبادت کو اسی کے ساتھ خالص کرنے کا حکم دیا، اس کے ساتھ

****

والدین کے ساتھ احسان کی ہدایت بھی جاری کردی۔ بلکہ ایک دوسری جگہ اور زیادہ تفصیل کے ساتھ والدین کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنے کا حکم دینے کے بعد ان کی قربانیوں اور مجاہدات کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: **وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَاناً حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا الخ** ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا، اور بڑی مشقت سے اس کو جنا، اور اس کو اٹھائے رکھنے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری توانائی کو پہنچ گیا۔ (توضیح القرآن)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی حتی کہ یہاں تک کہہ دیا کہ **اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ** ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

والدہ کے بارے میں ڈاکٹر حضرات نے چیک اپ اور تمام دستیاب ٹیسٹوں کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب ان کو ہسپتال کے بجائے گھر میں ہی خدمت کرنا ان کے لئے باعث آرام اور گھر والوں کے لئے باعث سعادت ہوگا۔

عام طور پر ہم طلباء زمانہ طالب علمی میں گھر سے باہر مدارس کے ماحول میں دن رات مقیم رہنے کی وجہ سے اپنے والدین کی خدمت نہیں کر پاتے۔ تعلیم کے مرحلے سے فارغ ہوجانے کے بعد بھی پھر ان ہی مدارس کی خدمت کرنے نیز امت مسلمہ کے دینی تقاضوں اور ملی مسائل میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہم لوگوں کو گھروں میں اپنے والدین کی خدمت میں حاضر رہنے کیلئے بہت ہی کم وقت میسر

ہوتا ہے۔ ان کی خدمت کرنا اور حق ادا کرنا تو دور کی بات ہے، کیونکہ اس کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ اس لئے بہت ہی جی چاہ رہا تھا کہ یہ ایام والدہ محترمہ کی خدمت میں رہ کر گزاروں۔

ان کی خدمت کرنا تو میرے لئے ممکن نہیں تھا اسلئے کہ میرے دونوں برادران جو مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس فریضے کو انجام دے کر سرخ روئی مسلسل حاصل کر رہے تھے خصوصاً ہمارے برادرِ اصغر حاجی حبیب اللہ، کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ خوش نصیبی عطا فرمائی تھی کہ وہ بچپن میں جس قدر شوخِ طبیعت کی وجہ سے اپنی والدہ کو تنگ کرتے تھے، اتنا ہی زیادہ والدہ محترمہ ان سے حد درجہ محبت کرتی تھیں۔ اور یہ ماں کی شفقت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں ودیعت رکھی ہوتی ہے۔ لیکن بڑے ہوجانے اور تعلیمی مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد دینی ماحول، بزرگان دین سے تعلق اور خصوصاً دعوت وتبلیغ سے متعلق ہونے کے بعد حاجی حبیب اللہ صاحب اور ان کے اہل وعیال کو اللہ تعالیٰ نے اس رحمت سے نوازا کہ آخری عمر کے کئی سال انہوں نے والدہ محترمہ کی بے لوث خدمت اس انداز سے انجام دی کہ ہم اس ذمہ داری سے اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرتے تھے اور والدہ بھی ان کی خدمت سے حد درجہ مطمئن تھیں۔ ان کی اس خدمت میں کسی بھی نئی یا مزید ضرورت کے پیدا ہوتے ہی ہمارے منجھلے (درمیانی) برادر حافظ ہدایت اللہ صاحب فوراً پیش پیش رہتے تھے اور وہ تقریبا روزانہ مدرسے سے چھٹی کے بعد سب سے پہلے والدہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ والدہ

محترمہ بھی اپنی شفقتوں، دعاؤں اور بعض مرتبہ پیاری پیاری ڈانٹ ڈپٹ سے ان کو نوازتی تھیں۔ اس طرح سے حافظ صاحب نے بھی والدہ محترمہ سے خوب فیض حاصل کیا اور ان کی دعاؤں کو بھی سمیٹا۔ والدہ کو مشکل مرحلوں میں جو بھی ہدایت دینی ہوتی، حافظ صاحب کو ہی دیتیں۔

باقی رہا میرا معاملہ تو مجھے یاد نہیں کہ والدہ محترمہ نے کبھی اپنے ذاتی کام یا ذات سے متعلق کسی کام کا حکم دیا ہو، بلکہ اپنے سب سے بڑے بیٹے ہونے کے ناطے پھر نام کے ساتھ ''مولوی'' کا لاحقہ ہونے کی بنا پر حد درجہ احترام اور اکرام کا معاملہ کرتیں۔ اس کے بعد مادری شفقت کے نتیجے میں سوالات شروع کرتیں ''رات میں کیوں اِدھر اُدھر چلتے ہو؟ احتیاط کیوں نہیں برتتے؟'' کبھی کہتیں ''اس وقت مدرسہ سے آئے یا کہیں اور چلے گئے تھے'' کبھی یوں کہتیں ''اتنے دنوں کہاں تھے؟'' ''تمہارے والد صاحب پابندی سے تبلیغی مرکز جایا کرتے تھے تم وہاں گئے بھی تھے یا نہیں؟'' ان سوالوں کے دوران جب دیکھتی کہ ابھی حاجی حبیب اللہ چائے نہیں لائے تو فوراً اُن کی طرف متوجہ ہوتیں اور کہتیں ''مولوی صاحب کے لئے کھانا کیوں نہیں لائے؟'' وہ جواب دیتے! چائے آرہی ہے یا فروٹ (پھل) کاٹ رہے ہیں یا کھانا نکال رہے ہیں، تو بار بار نظر دوڑاتیں کہ آنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے۔ حالانکہ گھر میں داخل ہوتے ہی موجود افراد تیاری میں لگ چکے ہوتے تھے اور صرف چند منٹ کا وقفہ ہو چکا ہوتا تھا۔ یہ حال اب تھا جب بیمار ہو کر بستر پر دراز ہو چکی تھیں۔ ورنہ تو اپنی صحت کے زمانے میں دیسی انڈے کہیں سے ملے

****

تو ہفتوں میرے انتظار میں چھپا کر موجود رکھنا، پھر عین اس وقت کہ جب میں ان کے پاس ملاقات کے لئے آؤں، فوراً خود تیار کرنا یا کرانا اور اپنے سامنے بٹھا کر مجھے کھلانا، یہ تو مستقل معمول تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد ہی حال چال معلوم کرتی تھیں۔

بہر حال ماں، ماں ہی ہوتی ہے، اولاد اس کی شفقت کا اندازہ نہیں کر سکتی، چاہے یہ اولاد بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکی ہو، یا اس کے خود کتنی اولادیں ہو چکی ہوں، اور اپنی اولاد کے لئے اس کا دل اسی طرح تڑپ رہا ہو، لیکن اپنی ماں کے دل کے اندر کے جذبات، تڑپ اور اضطراب وشفقت کا اندازہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ ماں کی شفقت بھری باتوں کو اور ان کے نتیجے میں پیش آنے والے اقدامات کو آدمی خوب سمجھ سکتا ہے لیکن اس کے پیچھے ماں کی نظروں میں موجود شفقت کی کرنوں اور اصل کام کرنے والے قلب کے جذبات اور محبت بھرے اضطراب کے نتیجے میں حاصل ہونے والی توجہات تک انسان کی نگاہ نہیں جاتی۔

خالق کائنات پیارے اللہ، سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب سے ماؤں کے دلوں میں محبت کی جو دولت رکھی ہوتی ہے یہ سب اُسی محبت وشفقت اور پیار کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو دنیا میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ حقیقت میں خالقِ کائنات کی محبت اور شفقت کا ماؤں کے دلوں میں عکس اور پَرتَو ہوتا ہے اور اس میں اتنا عموم ہے کہ اس خالق کائنات، رب العالمین نے انسانوں کے علاوہ دیگر حیوانات، جانوروں حتیٰ کہ درندوں تک کی ماؤں کے دلوں میں اس تعلق کو سجا کر بلکہ پیوست کر کے رکھا ہے۔

****

جس کا تجربہ وقتاً فوقتاً ہر ایک کو ہوتا رہتا ہے۔

بہرحال اپنی والدہ کی شفقت پھر اس کی جانب سے اس حقیر کے تئیں احترام واکرام کی وجہ سے اب ان کی اس آخری عمر میں خدمت کرنا نصیب نہ ہوا، چاہے میں کتنی بھی کوشش کروں حتی کہ پانی کا گلاس اٹھا کر دینے کی حد تک وہ مجھے تکلیف دینے کے حق میں نہیں تھیں، وہ اس کی اجازت ہی نہیں دیتی تھیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ کبھی کہتی مجھے آنکھوں میں کچھ دھندلا سا محسوس ہوتا ہے دم کردو، میری پیشانی پر ہاتھ رکھ دو، یا میرے سر پر ہاتھ پھیر دو، سر میں گرانی محسوس ہوتی ہے کچھ اس پر پڑھ دو، یا کبھی یوں کہتی طبیعت کمزور یا بوجھل سی لگتی ہے پانی پڑھ کر دے دو، یا میرے بھائیوں (جو میری طرح ان کی اولاد اور بیٹے تھے) کے بارے میں یوں کہتیں تمہارے اس بھائی کو یہ تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کے لئے پانی پر دم کردو، محلے میں فلاں فلاں کو تکلیف ہے ان کے لئے دعا کردو، یا فلاں صاحب نے فون کیا ہے اس کو ملاقات کے لئے وقت دے دو۔

ایسی چیزوں کی فرمائش مجھ سے تو کرتی تھیں لیکن کوئی ذاتی کام کرنے نہیں دیتی تھیں، اسلئے ان کے پاس رہ کر میں کوئی خدمت تو نہیں کرسکتا تھا۔ البتہ اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھ کر کچھ وقت گزارنا ضرور چاہتا تھا۔ اس کے لئے میں بارہا ان کی خدمت میں گیا، لیکن تھوڑی دیر میں بات چیت کرنے اور کچھ کھانے پینے کے بعد جب ان کو تسلی ہوجاتی تو سوال ہوتا ''ساتھ میں کون ہے، گاڑی کس کی ہے، اس کو کون چلائے گا'' یہ اس وجہ سے کہ ان کو فکر لگا رہتا تھا کہ کشمیر جن حالات سے گزر رہا

****

ہے ان میں میرے اس لخت جگر کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ پھر تقاضہ شروع ہوتا واپس مدرسہ پہونچ جاؤ، پھر دیر ہوجائے گی، شام ہوجائے گی، رات ہوجائے گی'' اس کے بعد حاجی حبیب اللہ صاحب سے فرمادیتیں ''بھائی کے لئے گاڑی کا انتظام کردو، آدمی ساتھ دے دو، وغیرہ وغیرہ۔

اس صورت حال کی وجہ سے پورے ایک سال سے تمنا کے باوجود اپنی والدہ کے قدموں میں بیٹھ کر میں ان کے آخری ایام میں چند راتیں بھی نہیں گزار سکا۔ لیکن جس دن کا ذکر میں نے شروع کیا تھا یعنی جمعۃ المبارک ۲۰ صفر ۱۵/ اگست کا، اس روز میری طبیعت کی خرابی جس کا میں اوپر ذکر کرچکا ہوں میری خوش نصیبی کا ذریعہ بن گئی۔ پیارے رب العالمین نے کس شفقت بھرے انداز میں کہا ہے عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی بعض مرتبہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہت خیر اور اچھی ہوتی ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۱۶)

میری طبیعت کی ناسازی جس کی وجہ سے یہ ناکارہ بہت ہی نڈھال تھا میرے لئے خیر کا باعث بنی۔ اوپر ذکر کرچکا ہوں پندرہ دن سے بلڈ پریشر کے اتار چڑھاؤ پھر اس کے نتیجہ میں دل کے ٹیسٹ اس کے لئے ای.سی.جی (ECG) پھر ای کو (ECO) پھر کے.ایف.ٹی (KFT) کے تسلسل نے مجھے لیباٹریوں اور ہسپتالوں میں مشغول رکھا۔ شوگر (Diabetes) کے میرے معالج (Doctor) صاحب نے دوائی میں ترمیم کی۔ سرینگر کے بڑے ہسپتال (SKIMS) میں ای کو (ECO) ٹیسٹ کے بعد جب (KFT) اور (Angiography) تجویز ہوئی، میں نے ڈاکٹر

****

صاحبان سے اجازت حاصل کی کہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کی یہ تاریخیں پہلے سے متعین ہیں اس اجلاس میں شرکت کے لئے مجھے تین دن کی اجازت دے دی جائے، انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔

واپسی پر کسی بھی جگہ کوئی بھی پروگرام نہ دیتے ہوئے اس جمعہ کو راقم السطور اس بات پر افسردہ اور رنجیدہ تھا کہ میں نہ ہی جمعہ کا اہتمام کرسکا، نہ ہی اعمال جمعہ کو کما حقہ انجام دے سکا۔ اور جمعہ کی نماز بھی اس حال میں اپنے مدرسہ دارالعلوم رحیمیہ کی مسجد شریف میں ادا کی کہ عین خطبہ کے وقت بالکل آخری صف کے ایک کونے میں کرسی پر بیٹھ کر خطبہ سننے اور تکبیر اولی سے سلام تک کے اعمال مکمل کئے۔

اس سے قبل جب بھی میں جمعہ کو بانڈی پورہ میں موجود رہتا تو مقامی لوگوں کے لئے بعد نماز جمعہ یا بعد عصر خانقاہ میں ذکر کی مجلس رکھتے تھے جیسے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہاں سہارنپور میں جمعہ کے روز عصر سے مغرب تک کا مکمل وقت مسجد شریف محلّہ مفتیان میں مجلس ذکر ہوا کرتی تھی، لیکن آج یہاں اس روز ذکر کی مجلس بھی نہیں ہوسکی اس کا بھی طبیعت پر اثر تھا۔

اسی افسردگی کے عالم میں نماز کے بعد سنتوں سے فارغ ہوکر اللہ پاک نے دل میں یہ بات ڈال دی کہ نماز کے بعد کے اس وقت اپنی والدہ کی عیادت ہوجائے اور ان کی خدمت میں حاضری دے کر زیارت کرلی جائے۔ چنانچہ عزیزم قاری حسیب اللہ گاڑی لے کر آئے دو تین منٹ کی دوری پر گھر ہے۔ فوراً والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ اگرچہ ایک روز قبل یعنی جمعرات کو بھی حاضری دے دی تھی، اور ایک

****

دفعہ کے بجائے دو دفعہ خدمت میں ایک گھنٹہ حاضر رہا، لیکن جب بھی میں سلام کرتا، والدہ محترمہ ہلکی پھلکی آواز سے جواب کا اشارہ کرتیں۔ میں آیات مبارکہ اور سورۃ یٰسین شریف بھی پڑھتا رہا۔ والدہ مجھے اپنی شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتی بھی رہیں اور دونوں مرتبہ جب بھی میں نے رخصت ہونے کے لئے سلام کیا اور عرض کیا میں جانا چاہتا ہوں تو اشارہ سے اور ہلکی ''ہُوں'' کے ساتھ اجازت بھی دیدی۔

جمعرات کی شام کو لوگ یہ اندازہ کررہے تھے کہ والدہ شاید شب جمعہ کے انتظار میں ہے، لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالی کے علم میں ہے، اور اس حقیقت کو ساری ہی دنیا جانتی ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (یونس: ۴۹)

مگر اس وقت کا علم کسی کو نہیں دیا گیا۔ اسی لئے سب لوگ اندازہ ہی کرتے رہتے ہیں، چاہے وہ وقت کے مانے ہوئے ماہرینِ طب ہوں یا کسی اور فن کے کمال یافتہ۔ یہ ایک ایسا مرحلہ ہے جہاں پر بڑے بڑے حکماء اور اطباء اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ شریعت اسلامیہ کے اصولوں اور اس کے مزاج سے واقفیت رکھتے ہیں وہ ایسے معاملات میں بھی کسی اضطراب کا اظہار نہیں کرتے بلکہ تقدیر کے مطابق آنے والے مسائل اور اس پر ایمان کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اور یہی عقلمندی اور سمجھداری کا تقاضہ ہے۔ کہ ایسے وقت میں اضطراب اور جلد بازی میں کسی بھی غیر شرعی حرکت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ نیز ایسے نا مناسب جملے بولنے اور ایسے اقوال و الفاظ سے احتراز کیا جائے جو کئے کرائے کو ضائع کردیتے

****

ہیں۔اس لئے ایسے وقت میں بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ بندۂ ناچیز تقدیر کے ہر فیصلہ پر راضی رہے۔اور حق تعالیٰ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کرے۔

حق کی مرضی میں کرے جو اپنی مرضی کو فنا
دونوں عالم میں اسے آرام ہی آرام ہے

پوری زندگی میں اطمینان اور سکون سے رہنے کے لئے اصل طریقہ یہی ہے کہ بندے کو اپنا ہر معاملہ ہر مسئلہ شریعت کے مطابق رکھنا چاہیئے۔ پھر سب کچھ مالک تقدیر کے حوالے کرنا چاہیئے۔اور اس سلسلے میں علماء کرام سے رہبری حاصل کرتے رہنا چاہیئے۔

بہرحال آج کی حاضری کے وقت مرحلہ کل سے مختلف تھا۔میں نے حسب معمول والدہ کو سلام کیا،انہوں نے آنکھیں کھولیں تھوڑا سا چہرے کو میری طرف موڑا، چہرہ پُرنور اور ہشاش بشاش تھا، کمزوری بہت تھی، شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا،اشارہ سے جواب دیا اور پھر نیند میں محو ہوگئیں۔وہ آرام کرتی رہیں ہم لوگ جو حاضر تھے دیدار کرتے رہے، کچھ کلمات اللہ پڑھتے رہے۔کچھ دیر بعد پھر بیدار ہوئیں پھر میں نے سلام کیا اور اس نے اشارہ سے جواب دیا اور احقر بہ توفیق الٰہی سورۂ یٰس پڑھتا رہا۔ برادرم حاجی حبیب اللہ نے اُن کی نبض دیکھی بالکل صحیح تھی اور بدن گرم تھا۔اس دوران برادر حاجی حبیب اللہ اُن کی رگ میں لگے ہوئے پائپ کو بھی دیکھتے رہے کہ گلوکوز (Glucose) ٹھیک سے بدن میں جارہا ہے یا نہیں، وہ بھی درست تھا۔

اسی اثنا میں مدرسہ سے مولانا فیاض صاحب کا فون آیا کہ صورہ میڈکل

****

انسٹیوٹ (Soura Medical Institute) سے جناب ڈاکٹر الطاف احمد صاحب چاڈورہ، جناب ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب، جناب ڈاکٹر سجاد احمد صاحب اور جناب ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں۔ چونکہ عصر کا وقت ہوچکا تھا، میں نے جواباً کہا کہ وہ حضرات مدرسہ میں عصر کی نماز ادا کریں بلکہ اس کے بعد کے معمولات بھی پورے کریں تب تک ہم بھی یہاں نماز عصر ادا کریں گے اس کے بعد ان کو ملاقات کے لئے لے آئیں۔

عصر کی نماز اور معمولات سے فارغ ہوکر ڈاکٹر حضرات تشریف لائے ہم بھی تب تک نماز سے فارغ ہوچکے تھے۔ڈاکٹر حضرات نے ہمارے ساتھ ملاقات کی احقر نے اپنے مشغول ہونے اور وقت کے قلیل ہونے کا عذر بیان کیا، کیونکہ میری والدہ کی طبیعت ناساز ہے اور لگتا ہے کہ وہ آخری لمحات میں ہے اس لئے میں رخصت چاہتا ہوں۔لیکن ڈاکٹر الطاف صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ وہ والدہ محترمہ کا معائنہ کریں احقر نے شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ اس وقت آپ حضرات کی واپسی میں تاخیر ہوجائے گی۔اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب مذکور نے دوبارہ یہ جملہ دوہرایا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم آپ کی والدہ کا معائنہ کریں ہم اسی فن کے ہیں۔میں نے جواباً بتایا کہ جوان کا علاج کرنے والے مستقل ڈاکٹر ہیں انہوں نے مستقل نگرانی کے بعد یہ بتایا کہ اب ان کے لئے گھر کی خدمت ہی مناسب ہے اور میری نگاہ میں اب وہ مہمان ہی ہیں اور اپنے وقت موعود کی جانب گامزن ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ اس اخلاص اور تواضع کے ساتھ پھر اپنے شوق کا اظہار کیا کہ

****

میں ان کو ساتھ لے کر والدہ کے پاس آیا انہوں نے دیکھتے ہی کہا واقعتاً آخری مرحلے میں ہیں اور تمام ٹیسٹ اور چیک اپ کی رپوٹیں دیکھ کر بتایا کہ جو علاج چل رہا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز تجویز نہیں کی جاسکتی۔صرف سہولت کے پیش نظر ناک کے ذریعہ سے غذا دینے کے لئے پائپ لگانے کی ضرورت ہے تا کہ جو بھی پانی وغیرہ دینے کی نوبت آئے وہ پھیپڑوں میں جانے کے بجائے سیدھا معدے میں جاسکے۔اس کے لئے فوراً پائپ لگادی گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے پائپ لگاتے ہی زم زم کے چند گھونٹ دئے جن کو حاجی حبیب اللہ نے پائپ کے ذریعہ ڈال دیا،اس کے بعد دودھ کا ایک گھونٹ دیا گیا۔تجویز یہ ہوئی کہ آکسیجن دے دی جائے کیوں کہ اس وقت آکسیجن بہت کم رہ گئی تھی۔والدہ نے آخری سنبھالا لے لیا،اس دوران ان کے بھائی یعنی ہمارے ماموں محمد شفیع میر عیادت کیلئے آئے۔میں نے ان کے لئے جگہ خالی کی اور خود والدہ کے قدموں کی طرف کھڑا ہو گیا۔بھائی بہن کی محبت بھی عجیب ہوتی ہے انہوں نے آتے ہی والدہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان کا ڈوپٹہ سنبھالتے ہوئے بہت زور سے ۳ دفعہ اللہ اللہ کی تلقین کی گویا یہی وقت موعود تھا۔اور والدہ نے اللہ اللہ کہہ کر اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کر دی،اِنَّالِلّٰه وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَ لَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى.

ڈاکٹر حضرات نے تھوڑی دیر میں اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ واقعی روح پرواز کر چکی ہے۔ہم نے سوچا مغرب کے وقت میں کچھ دیر باقی ہے نماز کی تیاری

****

کر لی جائے یہ سوچ کر مغرب کی تیاری میں لگ گئے۔اس دوران چھوٹے بھائی عزیزم حافظ ہدایت اللہ نے آکر والدہ کی وفات کی اطلاع دینی چاہی مگر ماں کی محبت ہی ایسی چیز ہے کہ الفاظ منہ سے نکالنے سے پہلے آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔میں سمجھ گیا کہ وہ انتقال کی خبر دینا چاہتے ہیں۔ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ میں ابھی تک وہیں پر موجود تھا وہیں سے نماز کی تیاری کے لئے باہر آیا تھا۔بہر حال کچھ دیر بعد مغرب کی اذان کا وقت ہو گیا اور ہم لوگوں نے نماز ادا کی۔نماز سے فارغ ہوتے ہی راقم الحروف نے اپنی والدہ محترمہ جن کو اب مرحومہ لکھا گیا کی وفات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اطلاع تحریر کر دی:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

”آج بروز جمعۃ المبارک شام کو میری پیاری والدہ محترمہ مسماۃ مصرہ بیگم دختر علی محمد میر ابن محمد ابن قدوس میر زوجہ مرحوم حاجی محمد سیف اللہ میر بانڈی پورہ نے اپنی امانت یعنی جان اپنے پیارے خالق و مالک جان آفرین کے سپرد کر دی اِنَّالِلّٰه وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى.۔بقول قائل

جان دی،دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دعائے مغفرت کی عاجزانہ درخواست ہے۔

محمد رحمت اللہ کشمیری،دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر“

****

جنازہ کے بارے میں مشورہ ہوا،بعض حضرات کا یہ کہنا تھا کہ رات کا وقت ہے اس لئے انتظام میں خصوصاً دور دراز سے لوگوں کے آنے میں دشواری اور تکلیف ہوگی۔مگر آخر یہی طے پایا کہ مستورات کا طواف بھی رات ہی کو پسند ہے اس لئے تاخیر نہ کی جائے بلکہ رات کو ہی تدفین کی جائے۔نیز اسلاف نے بھی خواتین کے بارے میں رات کو ہی تدفین کے لئے ترجیح دی ہے۔مثلاً سیدۃ النساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی منقول ہے کہ انہوں نے اپنی تدفین کے لئے رات کو ہی پسند کیا تھا اور اسی کی تاکید کی تھی۔چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔

نہایت اطمینان سکون سے رات کے گیارہ بجے تک قبر بھی تیار ہوگئی،غسل کفن وغیرہ سے بھی فراغت ہوئی،اور گیارہ بجے رات کو جامع مسجد قدیم بانڈی پورہ کے متصل جنازہ گاہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ہجوم کی کثرت کی وجہ سے جنازہ گاہ کم پڑ گیا لہٰذا صفیں مزید آگے بڑھائی گئیں۔جنازہ کو بھی کافی آگے رکھا گیا تاکہ درمیان میں مزید صفوں کی گنجائش پیدا ہو اور دائیں بائیں کی سڑکوں پر بھی صفیں بن سکیں۔اس طرح سے عافیت کے ساتھ سارا ہجوم اس جگہ میں نہایت اطمینان سے جنازہ ادا کر پایا۔

پورے کشمیر سے اس مختصر وقفہ میں حضرات علماء کرام،قاری قرآن،حفاظ کلام اللہ،بزرگان دین،نوجوان بچے اور بوڑھے سبھی طبقوں سے تعلق رکھنے والے مخلص حضرات شریک جنازہ ہوئے۔اس طرح سے ایک طرف سے جمعۃ المبارک کے دن میں غروب آفتاب سے پہلے روح کا قبض ہونا نصیب ہوا،جس پر حدیث پاک میں **وقاہ اللہ فتنۃ القبر** (مشکوٰۃ) کی بشارت وارد ہے۔اس کے بعد اب اس

****

جنازے میں علماء،صلحاء اور حفاظ کے جم غفیر حضرات نے مغفرت کی امید کو مزید مستحکم کر دیا۔جنازہ کے بعد مسجد شریف سے متصل عمومی قبرستان میں مرحومہ کے شوہر یعنی ہمارے والد مرحوم حاجی محمد سیف اللہ اور بھائی یعنی ہمارے ماموں محمد رمضان میر کی قبروں کے برابر میں بنائی گئی قبر میں تدفین ہوئی۔اس طرح سے مرحومہ اس دار فانی سے دار البقا کی جانب منتقل ہوئیں۔بقول شاعر ؎

آخر دل کی بے قراری کو قرار آ گیا

لوگوں نے قبر پر حسب توفیق ایصال ثواب کیا،دعاء مغفرت کی،قبر پر مٹی ڈالی اوپر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور دعائیں دیتے ہوئے قبرستان سے روانہ ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ تیری نگہبانی کرے

ہم لوگ اپنے گھر کو لوٹ آئے۔وہاں پر عزیز واقارب اور دوستوں کا ہجوم ہماری تعزیت کے لئے موجود تھا۔مگر سبحان اللہ جس میت کو قبر کے حوالے کر آئے وہاں کوئی رشتہ دار،دوست،یار اور مونس وغم خوار موجود نہیں۔سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور فضل وکرم کی امید کے،دوسرا کوئی سہارا نہیں۔ہم اپنے سابقہ لباس میں ملبوس،لیکن جس کو قبر پر پہنچا کر آئے اس کا عمر بھر کی زندگی کے دوران پہنا جانے والا لباس بدل کر ایک نئے ہی لباس یعنی کفن میں اس کو لپیٹا گیا۔جب کہ ان کو اس سے زندگی بھر کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ہم لوگوں کا مکان وہی،کمرہ اور حجرہ معمول کا،بستر اور فرش وہی جس کے ہم عادی تھے،لیکن جس مرحومہ کو چھوڑ آئے اس کا نیا گھر قبر اپنے

****

پرانے مکان سے مختلف، بسترہ کا نام ونشاں نہیں اور ماحول بھی بالکل اجنبی۔

اللہ تعالیٰ اپنی دستگیری فرما کر قبر کو جنت کا باغ بنا دے، اور وہاں کی تمام منزلوں کو آسان فرمائے۔ یقیناً یہ بہت ہی نازک اور کٹھن منزل ہے جس کے لئے امت کے مشفق ومحسن رہبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء بھی سکھائی ہے۔قولاً بھی فعلاً بھی عملاً بھی،طرح طرح سے امت کو متوجہ فرمایا ہے۔اور **اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ** والی دعا سکھلائی، جو حدیث شریف میں وارد ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری بھی سکرات الموت کو آسان فرمائے۔اس وقت اپنی خصوصی مدد شامل حال فرمائے،حسن خاتمہ سے مالا مال فرمائے،قبر کی منزل کو آسان فرمائے،سوال و جواب کو معاف فرمائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اوران کے دست مبارک سے حوض کوثر کا جام مقدر فرمائے، اور بلا حساب وکتاب کے جنت میں دخول اوّلی نصیب فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

اس طرح سے والدہ محترمہ اپنی حیاتِ مستعار کے تقریباً ۹۰ سال مکمل کرکے اس عالم فانی سے دارالبقاء کی طرف روانہ ہوگئی۔اس حال میں کہ ان کی اولادوں بیٹوں اور پوتوں اور پوتیوں میں سات (۷) علماء، چار (۴) مفتی، بارہ (۱۲) حافظ کلام اللہ چودہ (۱۴) عالمات اور داعیہ۔یہ سب ان کے لئے باقیاتِ صالحات ہیں۔اولادِ نرینہ میں ہم تین بھائی راقم السطور اور حافظ ہدایت اللہ میر اور سب سے چھوٹے حاجی حبیب اللہ ہیں۔ایک بیٹی (ہماری بہن) دلشادہ نامی بھی تھی۔اُس کا تیرہ چودہ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا جبکہ وہ قریب کے بنات کے

سکول میں آٹھویں جماعت میں زیر تعلیم تھیں۔اس کے علاوہ ایک اور بہن فردوس نسیم اور بھائی قدرت اللہ تولد ہوتے ہی راہ آخرت کو سدھار چکے اور فرط بن چکے ہیں۔

والدہ مرحومہ نے دعوت وتبلیغ میں بھی ایک چلہ دلی غازی آباد میں اپنے محرم اور پوتی کے ساتھ لگایا تھا۔یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اُس وقت جب دہلی نظام الدین مرکز سے ہمارے یہاں سے مستورات کی جماعت کو پہلی بار اجازت ہوگئی تو ہمارے بانڈی پورہ کے امیر التبلیغ مرحوم حاجی نورالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس مدرسہ آئے اور تمنا ظاہر کی کہ اس پہلی مستورات جماعت میں ہمارے گھر کی مستورات کے ساتھ آپ کے گھر سے بھی شرکت ہونی چاہیئے۔میں نے ان سے دو دن مشورہ کرنے کی مہلت مانگی۔

اگلے دن صبح سویرے دیوبند کے لئے روانہ ہوا۔حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چھتہ مسجد میں حاضر ہوکر معاملہ پیش کرکے ہدایت کی گذارش کی۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صورتحال تفصیل سے معلوم کی اور بہت ہی انشراح کے ساتھ مستورات جماعت میں والدہ محترمہ اور احقر کی بڑی صاحبزادی جوان کی پوتی ہوتی تھی میرے بڑے فرزند مولوی محمد حمید اللہ کی معیت میں چلہ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔مولوی حمید اللہ اس زمانے میں حضرت شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔وہیں زیر تعلیم بھی تھے۔اس طرح سے مستورات میں بھی تبلیغی کام کا ہمارے خاندان

میں سلسلہ شروع ہوا۔اب ان کی اولادوں میں کل تیرہ (۱۳) بچیاں دعوت کی اس راہ میں ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔والد صاحب بھی چونکہ دعوت وتبلیغ کے کام میں مشغول رہتے تھے اس لئے کافی لوگوں کے دین سے جڑنے کا ذریعہ بنے۔اور ان کی اولادوں میں تقریباً تمام ہی فرزندان پوتے اور پوتیاں اس مبارک کام میں حسب توفیق حصہ لینے کی وجہ سے صدقۂ جاریہ ہیں۔

والدہ مرحومہ عَم پارہ اور الٓمّ کی اس انداز سے حافظہ تھیں کہ ایک دم پڑھنا شروع کیا تو اخیر تک رکنے یا اٹکنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔آخری عمر میں بھی بچوں اور بچیوں میں سے جب کوئی سورت، یا آیت ان کے سامنے پڑھ دیتیں تو وہیں سے پڑھنا شروع کر دیتیں اور مسلسل پڑھتی رہتیں۔ درود شریف سے خاص لگاؤ تھا۔ کشمیری ماحول کے مطابق درود شریف پڑھنے کے دوران کشمیری زبان میں نعتیہ اشعار کثرت سے پڑھا کرتی تھیں۔فجر اور مغرب بعد مستقل طور پر مصلی (جائے نماز) پر طویل وقت کے لئے بیٹھی رہتی تھیں اس دوران اشراق اور مغرب کے اوّابین بھی ادا کرتیں تھیں اور زائد نوافل بھی پڑھتی رہتیں تھیں۔ہاتھ میں ہمہ وقت تسبیح رکھنے کا معمول تھا۔بعض مرتبہ ذکر اللہ مسلسل کرتی رہتی تھیں۔

اپنے بچوں کی تربیت میں بہت سخت تھیں، اس سلسلے میں کوئی بھی غلطی ناقابل برداشت تھی، ڈانٹ ڈپٹ تو معمولی چیز تھی۔کبھی کبھی ضرورت پڑنے پر چھڑی اور چپل سے بھی کام لیتی تھیں لیکن بچوں کی تربیت سے غافل رہنا ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔چونکہ ان کو بچوں کی تربیت کا بہت زیادہ خیال تھا اسی لیے پوتوں

اور پوتیوں کی بھی سختی سے نگرانی کرتی تھیں اگر کبھی کوئی غلطی کی مثلاً سکول سے آتے جاتے بغیر اجازت کسی دوست یا سہیلی کے گھر گئے یا کسی سے کوئی چیز بغیر اجازت قبول کر لی اس پر سخت تنبیہ کرتیں حتی کہ بچے اسی وقت توبہ کر لیتے۔اگر چہ خود زیادہ پڑھائی نہیں کی تھی اور سرکاری اسکول کا کبھی رخ نہیں کیا تھا مگر اپنے بچوں کے اسکول سے واپس آنے پر کلاس ورک اور ہوم ورک اپنے سامنے بٹھا کر مکمل کرانا ان کا معمول تھا یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ سکول سے واپس آ کر کپڑے تبدیل کر کے چائے پانی سے فارغ ہوتے اور ان کے سامنے کتابیں کھول کر سکول سے ملا ہوا کام مکمل کرنے بیٹھ جاتے اور مکمل کئے بغیر کس کی مجال، کہ اس کام کو ادھورا یا نامکمل چھوڑ کر اٹھنے کی ہمت کرے۔جب کہ بچوں کے ذمہ گھر کا کام کاج بھی ہوتا تھا، جب تک گھروں میں اندر نل نہیں لگے تھے تو سکول سے واپس آ کر محلّہ کے مشترکہ نل سے ٹین کے چھوٹے ڈبوں میں پانی بھرنا پڑتا تھا جس میں کافی وقت لگتا تھا اور یہ کام تینوں بھائیوں کو کرنا ہوتا تھا گھر میں جھاڑو دینا، برتن صاف کرنا اور کبھی کبھی پکانے میں مدد دینا یہ ہم تینوں بھائیوں کے ذمہ رہتا تھا اس کے ساتھ ساتھ کلاس ورک ہوم ورک میں بھی کوئی کمی نہیں ہونے دیتی تھیں۔اگر چہ اس دور میں اس بات کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں تھی کہ سکول کی منتظمہ کے ساتھ بچوں کے والدین کا رابطہ رہے مگر والدہ کا اسکول کی انتظامیہ اور اساتذہ سے بچوں کی تعلیم اور تربیت کے بارے میں رابطہ برابر رہتا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب تعلیم کو عبادت سمجھا جاتا تھا چاہے وہ مکتب کی تعلیم ہو یا

سکول کی۔ ماحول ایسا سیدھا سادھا اور خلاص والا تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو اسکول میں داخلہ کراتے وقت استادوں سے یہ کہا کرتیں کہ استاد صاحب ''ہم اگر چہ علم حاصل کرنے سے محروم رہیں اور ہمیں علم کا نور نہیں ملا، جاہل رہیں مگر ہم نہیں چاہتیں کہ ہمارے بچے ہماری طرح ان پڑھ رہیں اس لئے بچے کو آپ کے اسکول میں داخلہ دلانے آئی ہوں۔ اسلئے اس بچے کو اپنے اسکول میں داخل کر دیجئے تا کہ یہ میرے مرنے کے بعد دعاء مغفرت کرنے والا بن جائے اور صدقہ جاریہ ہو۔ حالانکہ وہ نہیں جانتی تھی یہاں اس اسکول میں عصری علوم کی پڑھائی ہوتی ہے۔

والدہ ماجدہ کی پیدائش اندازہ ہے کہ سن انیس پینتیس 1935ء کے آس پاس رہی ہوگی۔ سرکاری ریکارڈ میں اندازہ سے سن 1941ء درج ہے۔ یہ برصغیر کی تقسیم سے پانچ، دس سال پہلے کا زمانہ ہے۔ برصغیر کے اکثر حصوں میں انگریزوں کی حکومت اور یہاں کشمیر میں ہندو ڈوگرہ مہاراجوں کی حکومت تھی۔ عیسائی مشنریاں یہاں اس علاقے میں بھی آ چکی تھیں۔ سرینگر، بارہمولہ، اور لداخ کی طرح بانڈی پورہ میں عیسائیوں کا ایک ہسپتال اور اسکول قائم ہو چکا تھا۔ والدہ مرحومہ خود سنایا کرتی تھیں کہ ہم زیادہ تر بچے اور بچیاں مسجد شریف کے اماموں کے پاس ہی پڑھنے جاتے تھے البتہ اتوار کے دن مشن سکول کے پاس بچے جاتے تو عیسائی پادری اور ان کی معاون عورتیں تمام بچے بچیوں کو تھوڑی دیر اپنی عمارت کے صحن میں بٹھا کر ایک نظم پڑھاتی تھیں جس کا مطلع تھا۔

''رب کی ہو میرے ثنا ہمیشہ''

****

اس نظم کے بعد سب بچوں سے کہلواتی تھیں کہو ''یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے'' لیکن کہلوانے کے بعد اس کے دہرانے پر اصرار نہیں کرتی تھیں۔ بچے خاموش رہتے اس کے بعد مٹھائی تقسیم ہوتی سب بچے اس کو لیتے جونہی ان کے احاطہ سے باہر نکلتے تو اکثر لڑکے ان عیسائیوں کی طرف اس انداز سے اظہار ناراضگی کرتے کہ وہ ہکا بکا رہ جاتے کہ بچے مٹھائی بھی لے بھاگے اور ہمارا کہلوایا گیا جملہ بھی نہیں دوہرایا، اور باہر نکل کر ہمارے خلاف اظہار ناراضگی بھی کیا۔ لیکن مشنری کے وہ لوگ اپنے مشن کے اتنے پکے تھے کہ آئندہ اتوار کو جب یہ بچے وہاں آتے تو وہ محسوس بھی نہیں ہونے دیتے تھے کہ پچھلے اتوار ان بچوں نے کیا ہنگامہ کیا تھا۔ بلکہ دوبارہ نہایت نرمی سے ان کو یہی جملے کہلوانے کی کوشش کرتے۔ بالآخر چند مہینے کی محنت کے بعد جب کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا تو بانڈی پورہ میں انہوں نے اپنا سکول اور ہسپتال بند کر دیا اور دوسری جگہ چلے گئے۔

سرینگر اور بارہمولہ میں اسی زمانہ کے قائم کردہ اسکول نہایت اعلی پیمانہ کے موجود ہیں۔ اور اس وقت ہزاروں مسلمان بچے ان عیسائی سکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔ اور مسلمان وہاں ہزاروں کی رقم بطور داخلہ فیس اور ماہانہ فیس جمع کر کے اپنے بچوں کو داخل کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ داخلہ کے موقعہ پر رات دن ایک کر کے مشقت، مجاہدہ، سفارشیں اور کوششیں برداشت کرتے ہیں، مگر وہاں کے داخلے کو اعزاز سمجھتے ہیں۔ ان اسکولوں کو اس زمانے میں ہندوں ڈوگرہ مہاراجوں کی طرف سے کروڑوں کی مالیت کی زمین دی گئی ہے۔ جس کا کرایہ آج کے زمانہ میں بھی

****

برائے نام ہے جبکہ انھیں کے متصل واقع زمینوں کی مالیت اور کرایہ میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔

والدہ محترمہ یہ بھی بیان کرتی تھیں کہ اس زمانے میں سرکاری اسکول قائم ہوا اور ان اسکولوں میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی تعلیم دینے کی مہم چلی۔ بڑے لوگ اور علاقہ کے برسرآوردہ رہنما لوگوں کو ترغیب دینے روزانہ گھروں میں آتے کہ لڑکیوں کو اسکول بھیج دو۔ لیکن والدہ مرحومہ بتاتی تھیں کہ میرے والد ان کو (حالانکہ وہ سربرآوردہ لوگ ان کے قریبی رشتہ دار تھے) جواب دیتے کہ میں اپنی لڑکی کو گھر سے باہر اس تعلیم کے لئے اسکول میں نہیں بھیج سکتا۔ خود ہی قرآن شریف پڑھاتا ہوں اور امام صاحب بھی پڑھاتے ہیں۔ اس طرح سے انہوں نے کوئی عصری تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ لیکن اپنی اولاد کے لئے وہ اس بات کی بہت پابند تھی کہ قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کو سکول کا کوئی دن ناغہ نہ ہو۔ سکول سے گھر آتے ہی کام چاہے کلاس ورک ہو یا ہوم ورک اپنے سامنے مکمل کرتیں تب تک کسی دوسرے کام میں مشغول رہنے کی اجازت نہ دیتی جب تک یہ کام مکمل نہ ہو حالانکہ خود وہ اس لائن سے تعلیم یافتہ نہیں تھی۔ البتہ بچوں کی تعلیم سے ہی نہیں بلکہ تربیت سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ تعلیم کے ساتھ اسی لگاؤ اور لگن کا یہ نتیجہ تھا کہ نانا مرحوم نے اسکول چلانے کے لئے اپنے مکان کا ایک حصہ دیدیا تھا اور ان سے اس پر کوئی کرایہ وصول نہیں کیا جاتا حالانکہ وہ دومنزلہ مکان اپنے صحن میں انہوں نے اپنی اس بچی (ہماری والدہ) اور اس کے بچوں کے لئے بنوایا تھا۔ یہ والدین کی علم دوستی

ہی تھی۔

تعلیم وتربیت کے ساتھ والدہ کے لگاؤ کے سلسلے میں وہ واقعہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، جس کو ہمارے مدرسہ شمس العلوم ٹنڈہیرہ ضلع مظفرنگر یوپی کے بانی و صدر مرحوم حاجی ملا محمد اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے۔ خود بھی یہ واقعہ سنانے کے وقت ان کی آنکھیں آبدیدہ ہوجاتی تھیں اور سامعین بھی اثر لئے بغیر نہ رہتے تھے بلکہ بسااوقات سبھی کی آنکھیں نم ہوجاتی تھیں۔

ملاجی فرماتے تھے کہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ عام لوگ سفیروں کو ایک روپیہ یا زیادہ سے زیادہ دوروپے چندہ میں دیتے تھے۔ اگر کوئی بہت ہی اہمیت محسوس کرتا تو پانچ روپے دیا کرتا تھا۔ چندہ کے دوران جب انہوں نے راقم الحروف کو اچانک بانڈی پورہ بازار میں ایک ساتھی کی دکان پر موجود پا کر ملاقات کی اور اس ملاقات میں مجھے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آمادہ کیا جبکہ میں ہائیر سیکنڈری سکول میں زیر تعلیم تھا پھر انہوں نے ہمارے گھر آکر والدین سے گفتگو کی اس پر چند دن کے لئے والدین نے ان کے مدرسہ میں بھیجنے کے لئے حامی بھرلی۔ متعینہ تاریخ پر وہ ہمارے گھر آئے۔ اس وقت اپنے گھر سے باہر کہیں دور جانے کا یہ میرا پہلا موقعہ تھا۔ ایسے موقعہ پر ماں کے لئے یہ بڑی آزمائش تھی کہ اپنے لخت جگر جس سے وہ حد درجہ محبت کرتی تھی اور وہ اولادوں میں سب سے بڑا ہو، کو اپنے سے جدا کرے۔ مگر دینی تعلیم کی محبت میں ایک اجنبی بزرگ جن کا حلیہ، وضع قطع، زبان، انداز سب کچھ ہمارے ماحول سے بالکل مختلف تھا، اور جہاں جانا ہے وہ جگہ نامعلوم، وہاں کا سفر تو

دور کی بات ہے، کبھی تصور بھی اس کا نہیں آیا ہو، کے سپرد اپنی اولاد کو کر دینا یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔

ملا جی فرماتے تھے جب اس بچہ کو لیکر میں گھر کے دروازہ سے باہر نکلنے لگا تو اچانک تمہاری والدہ اندر سے پردہ کر کے آئی جتنا زیور اس کے پاس شادی کے وقت سے لے کر اس وقت تک کا جمع شدہ موجود تھا اس نے سب لا کر میرے حوالے کر دیا اور یہ کہا کہ اپنی اولاد میں اللہ کے بھروسہ پر آپ کے حوالہ کرتی ہوں اس کا خیال رکھنا۔ اور یہ میرا زیور میری عمر بھر کی پونجی ہے اس کو میں آپ کے مدرسہ کے لئے اللہ کی راہ میں دے کر، آپ کے سپرد کرتی ہوں اس کو وہاں جمع کر دیجئے۔ اور میرے بچہ کے لئے دعا کیجئے کہ اس بچہ کو اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔ یہ کہہ کر سارا وہ زیور جس میں چاندی کی بالیاں، گلے کے ہار، ہاتھوں کے کڑے اور کنگن اور کئی ساری چیزیں جو کچھ بھی تھا وہ میرے سپرد کر کے فی امان اللہ کہہ کر چلی گئیں اور میں حیران رہ گیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چلتے وقت میری پیاری والدہ نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی پالی ہوئی مرغی کا ایک انڈہ لیکر دیسی گھی میں اس کا آملیٹ بنایا روانگی کے وقت مجھے کھانے کے لئے دیا میں نے اس میں سے تھوڑا لے لیا، باقی چھوڑ دیا اس کو تسلی نہ ہوئی تو اسکو اپنے ہاتھ سے لیکر میرے منہ میں اس حال میں دے دیا کہ اس کی آنکھیں نم تھیں۔ مگر میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ اس جدائی کے وقت اس پیاری ماں کے شفقت بھرے دل میں کیا تلاطم ہے۔ جب بھی اس واقعہ کا تصور کر کے اس منظر کو یاد

****

کرتا ہوں تو بے اختیار آنکھیں نم ہو جاتی ہیں **رحمها الله تعالیٰ رحمة واسعه واسكنها الله فی جنات الفردوس۔ آمین**

آئندہ سال جب مذکورہ مدرسہ کی سالانہ تعطیلات کے موقعہ پر شعبان المعظم میں واپسی ہوئی۔ فون، موبائل اور دوسرے ذرائع رسل ورسائل تو تھے نہیں۔ ڈاک سے پہلے ہی تاریخ کا تخمینہ بتلا دیا گیا تھا۔

ٹنڈ ہیرا مظفر نگر سے سہارنپور بس میں وہاں سے پٹھان کوٹ سیالدہ ایکسپریس ٹرین میں، پٹھان کوٹ سے اگلی صبح چل کر رات کو بٹوت میں قیام کر کے اگلے دن فجر پڑھتے ہی بٹوت سے سرینگر پھر سرینگر سے شام کو عصر کے وقت اس حال میں بانڈی پورہ پہونچے کہ صدر و بانی ملا محمد اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود ساتھ تھے بلکہ اپنے مدرسہ شمس العلوم سے ایک بڑا قافلہ ساتھ تھا جس میں کئی اساتذہ بھی ان کی رفاقت میں کشمیر وارد ہوئے۔ اس موقعہ پر ہمارے خاندان کے خواص بھی جمع تھے۔ جوں ہی یہ قافلہ گھر کے صحن میں داخل ہوا۔ مکان کی اوپر والی چھت سے والدہ مرحومہ نے کشمیری رواج کے مطابق ان علماء کرام کے سروں پر مٹھائی اور شیرنی کی بکھیر کی۔ اور بچے اس مٹھائی کو اچکنے میں لگ گئے۔ روانگی کے وقت رخصت اور الوداع کا وہ سماں اور اب واپس گھر پہنچے کے وقت استقبال اور مرحبا یہ منظر آنکھوں میں ایسا سمایا ہے کہ بھولا نہیں جا سکتا اور ان یادوں کی لذت اب بھی دل میں محسوس ہوتی ہے۔

اس قافلہ میں اس وقت ہمارے مدرسہ میں قرآن پاک ناظرہ وتجوید بلکہ

****

اس کی نوک پلک درست کرنے والے مشفق استاذ مولانا قاری جمشید علی صاحب سہارنپوری موجودہ صدرالقراء دارالعلوم دیوبند اور ہندی،حساب اور انگریزی پڑھانے والے استاد ماسٹر محمد ایوب صاحب ککرولی ضلع مظفرنگر حال مقیم جانسٹھ نیز مرحوم مولانا عبداللطیف صاحب بھینسر ہیڑی مہتمم مدرسہ شمس العلوم بھی تھے۔

اس قافلہ کے بانڈی پورہ وارد ہونے اوران حضرات کی محنت کرنے کے نتیجہ میں اگلے سال رمضان المبارک کے بعد بانڈی پورہ سے اٹھارہ (۱۸) طلبا حفظ وناظرہ پڑھنے کے لئے یوپی مدرسہ شمس العلوم روانہ ہوئے جن میں حافظ ہدایت اللہ صاحب وغیرہ بھی شامل تھے اوریہی وہ وقت تھا جب بانڈی پورہ کی سرزمین میں قصبہ کے قلب میں واقع نشاط مسجد (حال مسجد اویس قرنی) میں رمضان المبارک میں پہلی بار تراویح میں قران پاک سنایا گیا۔اس کے بعد ملاجی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت سے کشمیر کے مختلف علاقوں سے بہت سے طلباء یوپی پڑھنے کے لئے روانہ ہوئے ۔جن کواللہ تبارک وتعالی نے علم دین اور بعض کوحفظ کلام اللہ کی دولت سے نوازا۔وہ حضرات آج کشمیر کے طول وعرض میں نہایت اعلی پیمانہ پرعلمِ دین کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں بعض قرآن پاک کے اساتذہ بن گئے ہیں جبکہ کئی سارے قرآن وحدیث اورفقہ اسلامی کے ماہراساتذہ ہیں۔بعض نے مدرسوں کوقائم کیا۔اللہ تعالی سب کوقبول فرمائے۔

اس گراں قدر عملہ (ملاجی، مہتمم صاحب،اوراساتذہ گرامی) کی توجہات سے اس زمانے میں مدرسہ ٹنڈ ہیڑہ نامی گرامی مقام حاصل کر چکا تھا۔اگر چہ ظاہری

****

انتظامات کے اعتبار سے نہایت عسرت وتنگی اور مجاہدات کی زندگی طلبہ وہاں بسر کرتے تھے مگر وہاں تعلیمی معیاراوراعلیٰ تربیت کی وجہ سے طلبہ اس مجاہدہ کو بسروچشم قبول کرتے تھے۔ یہ کیا کم اعزاز ہے کہ اس مدرسہ سے تعلیم حاصل کرکے مادرعلمی دارالعلوم دیوبند جیسے عالمی ادارہ کو نصف درجن اساتذہ فراہم ہوئے۔ وذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

واضح رہے کہ اس زمانہ میں وہاں کے صدرالمدرسین حضرت مولانا شبیر احمد صاحب قاسمی مظفرنگری تھے جو بعد میں استاذِ تفسیر وفقہ دارالعلوم دیوبند متعین ہوئے تھے اور چند سال قبل داعی اجل کو لبیک کہہ گئے رحمۃ اللہ علیہ۔انہوں نے احقر کو فارسی کی پہلی سے لے کر عربی صرف،نحو وغیرہ سوم عربی تک کی کتابیں نہایت شفقت اور محنت سے پڑھائیں اوران فنون کو پڑھانے کا ان کا انداز نرالا تھا۔قواعد کے ساتھ ساتھ ان کی عملی مشق پر خصوصی توجہ دیتے اس انداز سے کہ طالب علم کو اسباق بھی ازبر یاد ہوجاتے اور مشق کی بنا پر مہارت بھی پیدا ہوجاتی تھی۔شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے ان کے عاشق تھے اوردوران درس ان کے واقعات سناتے ہوئے آبدیدہ ہوجاتے تھے۔صوفی عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ (موانہ میرٹھ) سے ان کو اجازت بیعت حاصل تھی۔صحت کے زمانہ میں ہر سال دارالعلوم رحیمیہ تشریف لاتے ۔ناظرہ سے لیکر عربی تک تمام طلبہ کا تفصیلی امتحان کرکے مکمل رہبری فرماتے ۔رمضان المبارک میں بعدعصر کی مجالس ان ہی کے ذریعہ یہاں شروع ہوئیں اور دارالعلوم رحیمیہ کے ابتدائی دور میں ان ہی کے ذریعہ خانقاہ کا

****

ماحول بنا۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

والدہ مرحومہ اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی تھی۔پھر چھ سات بھائیوں میں اکیلی بہن۔اس لئے بہت نازنخرے سے پلی بڑھی تھیں جبکہ سسرال میں آکر کافی مجاہدات اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا جس کو انہوں نے خوش دلی سے قبول کیا اور بہت ہی صبر آزما مجاہدے کئے۔اس میں صبح سویرے غلس یعنی اندھیرے میں پہاڑوں پر لکڑی لانے کے لئے چلے جانا اور وہاں سے لکڑی کا بوجھ سر پر لاد کر لانا۔واپس آکر پھر سے گھر میں بہت بڑے عیال کے لئے کھانا پکانا اور مکان وبرتنوں کی صفائی ستھرائی کا کام انجام دینا کشمیر کے رواج کے مطابق صحن کے ساگ زار میں گھریلو استعمال کے لئے سبزی وغیر کی فصل اگانا یہ گویا ان کی زندگی کا معمول ہی بن گیا تھا۔

یہ بات تاریخی طور پر قابل ذکر ہے کہ کشمیر کے دیہات اور جنگلوں میں بسنے والے لوگوں میں کافی سادگی اور محنت کا ماحول تھا۔اسلام یہاں حضرات اولیاء کرام اور صوفیائے عظام رحمہم اللہ کے ذریعہ سے آیا ہے۔انہوں نے تدریجاً بہت ہی حکمت کے ساتھ دعوت واصلاح کا کام کیا۔جس کے اثرات مسلسل ہنوز موجود ہیں۔

گاؤں دیہات کی عورتوں کا صبح وشام جنگل جا کر پہاڑوں سے لکڑی وغیرہ لانا معمول رہا ہے۔کسی زمانے میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مبلغ دارالعلوم حضرت مولانا سید انوار الحسن ہاشمی صاحب رحمۃ اللہ علیہا ڈوڈہ کے تبلیغی سفر پر تشریف لائے تھے۔وہاں سے سرینگر کشمیر

****

کی طرف پہاڑوں کا سفر گھوڑوں پر سوار ہو کر کیا۔اور ضلع اسلام آباد میں کوکرناگ علاقہ میں آکر سرینگر کے لئے گاڑی پر سوار ہوئے تھے۔اس سفر کو انہوں نے کشمیر کا تبلیغی سفر کے عنوان سے منظوم قلمبند کیا تھا۔پہاڑی جنگلوں میں جب انہوں نے یہاں کی عورتوں کو گرم کپڑوں میں ملبوس جنگلوں سے لکڑیاں جمع کرتے دیکھا تو اس کو حسین پیرائے میں منظوم کیا۔فرمایا:

یوں حُسن جنگلوں میں پھرتا ہے مارا مارا　　تن پہ پھٹا سا کمبل سر پر لکڑ کا بھارا

گویا اس طرح سے لطیف انداز میں تنبیہ بھی فرمائی۔اور صورتحال کی عکاسی بھی خوبصورت طریقہ پر کی جو شاعری کا تقاضا تھا اور دینی فریضہ تنبیہ کرنے کا حق بھی ادا فرمایا۔

واضح رہے کہ یہاں کشمیر کے لوگ گرم اونی کپڑے کا لمبا چوڑا ایک لباس بناتے ہیں جو تمام بدن اور چھوٹے کپڑوں کو ڈھانپ لیتا ہے اس کو پیرہن (پھرن) یہاں کی کشمیری لغت میں کہتے ہیں۔اسی کو انہوں نے شعر میں ''تن پر پھٹا سا کمبل'' سے تعبیر کیا ہے۔مگر ساتھ ہی داعیان اسلام اور اولیائے کرام کی محنت کو خراج تحسین پیش کر کے ان کی راہ پر چلنے کی دعا بھی آگے کے اشعار میں کی ہے۔فرمایا ہے:

جس جا ہمیں پہنچنا دشوار ہو رہا تھا　　ان گھاٹیوں سے چلنا دشوار ہو رہا تھا
سنگلاخ وادیوں میں لائے جو دین برحق　　کیسے مَلَک صفت تھے وہ مومنین برحق
توفیق دے الٰہی نقش قدم پہ چل کر　　پھیلائیں دین حق کو ان کے طرز پر گھر گھر

****

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ والدہ مرحومہ کی ہدایت پر احقر بھی دوران تعلیم صبح سویرے مجر سے متصل کبھی کبھی جنگل جا کر لکڑیا لاتا تھا رمضان المبارک میں ماجع مسجد میں نماز فجر پڑھا کر قریب کے پہاڑوں سے لکڑیاں لاتے ظہر سے گھنٹہ بھر قبل واپس گھر پہونچتے کچھ آرام کر کے نمازی کی تیاری ظہر کی نماز پڑھا کرتے، تراویح میں شام کو سنایا جانے والا پارہ یاد کرتے اور تراویح میں سناتے والد صاحب سرکاری ڈیوٹی کی وجہ سے گھر سے باہر ہوتے والدہ ہی نظام چلاتی تھی۔

والدہ ماجدہ کے والد صاحب کا نام علی محمد میر تھا جب کہ ان کے والد کا نام محمد میر تھا اور انکے والد قدوس میر تھے۔ اسی نسبت سے پہچان کیلئے ان کو ''علی میر قدوس'' اور بعد میں مختصر کر کے ''علی میر قُدُ'' کہا کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ بانڈی پورہ میں میر قبیلہ سے جتنے بھی خاندان متعلق ہیں وہ سب شوپیان سے یہاں آئے ہیں اسی طرح سے قدوس میر کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی شوپیان سے یہاں آئے تھے

مرحوم علی محمد میر انتہائی محنت کش اور بہت ہی بے نیاز آدمی تھے۔ کبھی کسی کا احسان مول نہیں لیتے تھے، پوری زندگی اپنی محنت کی کمائی کھائی۔ اسکے لئے انہوں نے سرینگر جا کر تانبے کے برتنوں کی خرید وفروخت، برتن سازی اوران پر قلعی کا کام عیدگاہ (رتھ پورہ) میں احمد بابا کے یہاں طویل عرصہ رہ کر سیکھا تھا۔ یہ خاندان اپنے ہاتھوں سے تانبے کے برتن بناتا تھا۔ اب تک ان کے خاندان میں یہ کسب اور کام جاری ہے۔ پہلے مشینیں نہیں تھیں اس لئے اس زمانہ میں اس سے متعلق سارے کام ہاتھ سے کرنے پڑتے تھے۔

****

سرینگر میں یہ کام سیکھنے کے بعد نانا علی محمد میر نے بانڈی پورہ میں اسی طرز پر ایک دکان تانبے کے برتنوں کی قلعی اور مرمت کی قائم کی تھی، اور ماشاءاللہ بہت اچھا کام چلتا تھا۔ اسی اپنی محنت کی حلال کمائی میں سے وہ نہ صرف یہ کہ اپنے لمبے چوڑے بڑے عیال کی کفالت کرتے تھے بلکہ انہوں نے کئی یتیموں اور غریبوں کو اپنے گھر میں پرورش اور تربیت کے لئے ذمہ لے رکھا تھا۔

خود علی محمد میر کی چھ اولادیں تھیں۔ سب سے پہلی یہی ہماری والدہ مرحومہ، اس کے بعد مرحوم غلام محمد سب سے بڑے لڑکے تھے دوسرے نمبر پر محمد رجب میر تیسرے نمبر پر محمد شفیع میر چوتھے نمبر پر محمد صدیق میر پانچویں نمبر پر عبدالرشید میر۔ ان چھ اولادوں کے علاوہ تقریبا نصف درجن بچے وہ مزید پالتے تھے، جن میں تین بچے ان کی اہلیہ کے پہلے شوہر کی طرف سے ساتھ تھے۔ حنیفہ بیگم ان میں سب سے بڑی تھی اور اس کے دو چھوٹے بھائی محمود میر اور محمد رمضان میر بھی، تینوں اسی گھر میں مستقل پالے گئے۔ ہمارے نانا مرحوم نے ہی ان کی شادیاں کرائیں، اور سب کے سب صاحب اولاد ہوئے۔ اب ماشاءاللہ ان کی اولادوں کی اولاد بھی ہے۔ اس وقت ان اولادوں میں سے تیرہ لڑکے لڑکیاں اور ان کی اولادیں کئی درجن ماشاءاللہ موجود ہیں۔

ان سب کے علاوہ نانا جان علی محمد میر نے مزید بہت سے غریبوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی پرورش اپنے گھر میں ذمہ لے رکھی تھی۔ وہ اپنی اولاد کی طرح ان سب کو ایک ہی دسترخوان پر کھلاتے تھے۔ کھلانے، پلانے اور پرورش کے

****

ساتھ ان سب بچوں کو قرآن پاک بھی پڑھاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ان کو حلال کمائی کے لئے مختلف ہنر سکھانے کے لئے بھی بھیجتے تھے خود بھی اپنا کام یعنی تانبے کے برتنوں کا پیشہ بھی سکھاتے تھے۔ چنانچہ بانڈی پورہ بازار میں ان کے دوسرے بیٹے محمد رجب میر ایک اور بیٹے عبدالرشید میر ان کے بعد اب ہمارے چھوٹے بھائی حبیب اللہ میر کی تانبہ کی قلعی مرمت وغیرہ دکانوں کا کام صنعت و پیشہ کے لحاظ سے ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ چونکہ انہوں نے ہی سکھایا ہے۔ اس کو دیکھ کر مجھے یاد آتا تھا کہ بخاری شریف میں وحی کے تذکرہ میں حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات حمیدہ کو بیان کرتے ہوئے جو فرمایا تھا کہ

”اِنَّک لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحۡمِلُ الۡکَلَّ وَتکۡسِبُ الۡمَعۡدُوۡمَ وَتقۡرِی الضَّیۡفَ وَتُعِیۡنُ عَلٰی نوَائِبِ الۡحَقِّ“ (بخاری شریف کتاب الوحی)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی فرماتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں پر آنے والی مصیبتوں میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

گویا اللہ تبارک وتعالی کی صفت رزاقیت وسخاوت کا فیض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی صفات کے عام ہونے کے ذریعہ سے ان کی امت کے سخی لوگوں کو پہنچتا ہے اور وہ شفقت وسخاوت کا پیکر بنتے ہیں

مجھے اپنے بچپن کا ماحول اچھی طرح یاد ہے کہ ہماری والدہ چونکہ اپنے گھر میں سب سے بڑی اور اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی اور پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی،

****

اس لئے شام کے کھانے کے وقت عام لنگر کی طرح ایک بڑی دیگ سے کھانا تقسیم ہوتا تھا، پندرہ بیس لوگوں کا کھانا اس گھر میں اکھٹے ایک ہی دیگ میں پکتا تھا۔ ہماری والدہ ہی پکایا کرتی تھی کیونکہ ان کی والدہ کا انتقال جلدی سب سے آخری بیٹے عبد الرشید کی پیدائش کے ایک ڈیڑھ سال بعد ہوا تھا۔ اس لئے گھر میں پکانے کا کام، اندرونی انتظام نیز گھر کو سنبھالنے، سامان وغیرہ کی حفاظت، صفائی ستھرائی، پھر تمام گھر والوں کو کھانا کھلانے، اتنے بڑے عیال کے برتنوں، کپڑوں اور ساز وسامان کے سنبھالنے کا یہ سارا کام تنہا ہماری والدہ کرتی تھیں۔ اس کے ساتھ پورے گھر بار کے کپڑے دھونے ان کو سنبھلانے اور گھر کی مکمل دیکھ ریکھ خود تنہا کرتی تھیں۔ تا آنکہ ان کے سب سے پہلے بڑے بھائی یعنی ہمارے بڑے ماموں غلام محمد میر کی شادی ہوئی تو اس نکاح سے گھر میں آنے والی بہو اس گھر کے انتظام میں شریک رہی۔ خدا کے فضل سے وہ ابھی تک حیات ہے۔ اگرچہ ان ماموں صاحب کا سالہا سال قبل انتقال ہو چکا ہے۔

والدہ مرحومہ کی اس طویل اور لمبی چوڑی خدمت کی وجہ سے تمام خاندان میں ان کو بہت ہی احترام سے دیکھا جاتا تھا اور اس وقت خاندان میں موجود بیشمار صاحبِ اولاد لڑکے اور لڑکیاں جن کی تعداد سو زائد ہوگئی ہے سب اس گھر کو اپنا گھر تصور کرتے تھے۔ اور یہ گھر ہر وقت بچوں اور بڑوں سے آباد رہتا تھا۔ خصوصا کھانے کے اوقات میں چہل پہل رہتی تھی اور یہ سلسلہ تب تک جاری رہا جب تک یہ بھائی بہن، صاحب عیال ہو کر اپنے الگ الگ گھروں میں آباد نہ ہوئے۔

****

یہاں کا کھانا کوئی عالیشان کھانا نہیں ہوتا تھا بہت ہی سیدھا سادہ، بلکہ عیال کثیر ہونے کی وجہ سے جس سالن میں زیادہ شوربا اور پانی کی گنجائش ہوا سی کو پکایا جاتا تھا،اسی لئے اکثر مونگ کی دال،کبھی سری پائے،آلو سبزی وغیرہ چیزیں تیار کی جاتی تھیں۔اور یہ سلسلہ نانا مرحوم کے انتقال تک جاری رہا۔کیونکہ ابھی اس زمانے تک مروجہ تکلفات،تصنع اور رسموں کو اس گھر میں جگہ نہیں ملی تھی بلکہ سیدھی سادی زندگی ہلکا پھلکا معیار یہاں کا معمول تھا۔

والدہ مرحومہ کے نکاح کا قصہ آج سے پندرہ سال قبل ستمبر 2010 میں جب والد مرحوم کا انتقال ہوا ان کے تذکرہ میں احقر لکھ چکا ہے، جو یقیناً ایک غیبی اشارہ کے تحت ہوا تھا، ورنہ بظاہر کوئی جوڑ نہیں تھا۔

والد صاحب کئی اعتبار سے ہماری والدہ سے معیار زندگی میں کافی متفاوت تھے۔پہلے لکھ چکا ہوں کہ والدہ اپنے گھر کی اکلوتی بیٹی،ایک بہت بڑے کثیر العیال لنگر والے، ہر وقت کے کھاتے پیتے ماحول میں پلی بڑھی،اکلوتی ہونے کی سبب ناز نخروں سے پلی ہوئی، نیز پورا انتظام انہی کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے باصلاحیت انتظامی حیثیت کی مالک تھی،لیکن بتقدیر الٰہی نکاح ایسے گھر میں ہوا جو انتہائی عسرت و تنگی میں گزارہ کرتا تھا۔اور وہاں پر کبھی کبھی فاقوں کی نوبت بھی آتی تھی،جس کی وجہ سے نانا مرحوم کبھی کبھی جب دکان سے سیدھے والدہ کے سسرال میں پہنچ جاتے، نعمتیں ساتھ لے جاتے،اور چپکے سے ان کے گھر والوں کے لئے دے کر آجاتے اگرچہ مکان کے ساتھ ہی ایک بڑا باغ تھا جس میں اخروٹ کے کئی

****

درخت اور آڑو کے چند درختوں کے علاوہ باقی میں سبزی ہی سبزی تھی اور اس میں کام سب گھر والے ہی کرتے تھے۔اس لئے مالی ماحول تنگی کا تھا۔اس کے علاوہ ایک بہت بڑی زمین بھی تھی جو سیلاب کے نذر ہوگئی تھی۔۔

لیکن ایک بات دونوں جگہ مشترک تھی اور وہ تھا دین سے تعلق۔وہاں بھی تہجد کے وقت سے ہی چہل پہل شروع ہوتی تھی اور یہاں بھی۔ان کے خسر یعنی ہمارے دادا مرحوم عبدالاحد میر ہر جمعہ کے روز صبح سویرے اپنے گاوں شیخ پال وترینہ سے بانڈی پورہ آکر اپنے پیر مرحوم بہاؤالدین صاحب کے گھر حاضری دیتے، پھر جامع مسجد پہنچتے اور جمعہ کی نماز ادا کر کے عصر تک واپس اپنے گاوں پہنچتے۔جمعہ کے اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔یہاں تک کہ ایک جمعہ کو جب وہ حسب معمول بانڈی پورہ آئے تو یہیں پر جمعہ کے روز ہی انتقال کر گئے۔جامع مسجد سے متصل قبرستان میں مدفون ہوئے والد صاحب بتا رہے تھے ان کی قبر موجودہ جنازہ گاہ سے بالکل متصل ہے۔

دادا جان کے پاس بھی کافی زمینیں تھیں،لیکن مشہور نالہ ''مدھومتی'' کے بڑے سیلاب میں ساری زمین سیلاب کی نذر ہوگئی، البتہ کچھ حصہ ابھی بھی جو محض کناروں پر مشتمل ہے ان کی اولادوں کے حصہ میں وراثت کے بطور موجود ہے۔

احد میر مرحوم (دادا جان) کی بھی چار اولادیں تھیں۔سب سے بڑی بیٹی تھی (تاجہ بی بی) اسکے بعد حمزہ میر جو تہجد گزار، درود پاک کے عاشق اور پیشے میں گلکار یعنی تعمیرات کا کام کرتے تھے۔

****

ان کے بعد ہمارے والد یعنی مرحوم حاجی محمد سیف اللہ صاحب جو زندگی کا اکثر حصہ بزرگوں ومشائخ کے گھروں میں خصوصاً اندرابی سادات میں سے مشہور بزرگ جناب سید علی اندرابی صاحب بارہمولہ کی خدمت میں گزارا۔ انہی بزرگوں کے ذریعہ سے محکمہ مال میں چپراسی متعین ہونے پر کچھ حصہ افسروں کے گھروں میں خدمت کرتے اور کھانا پکاتے رہے۔ بزرگوں کے گھروں سے ان کو دین داری نیکو کاری اور سب سے بڑی بات دنیا سے بے رغبتی حاصل ہوئی، ان کی دنیا سے بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ ایک زمین جو سستے وقت پانچ ہزار روپے کی خریدی بیس پچیس سال بعد جب پرانے بائع نے گھریلو مجبوری اور عیال باری میں تنگی مال کے پیش نظر زمین کی واپسی کی درخواست کی تو اب جبکہ اس کی قیمت روپے کی قیمت گرنے کی بنا پر دس بیس گنا زیادہ ہو کر پچاس ہزار یا ایک لاکھ کی ہو چکی تھی وہ ان ہی پانچ ہزار میں اس کو واپس بیچ دی سب لوگ حیرت کرتے رہے۔ ایسا کئی بار ہوا لیکن وہ اس کو معمولی چیز سمجھتے تھے توجہ دلانے پر بھی کوئی اہمیت نہ دیتے۔ آج کے حالات اور مادیت کے دور میں یہ کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟

اور افسروں میں سے کسی نے کوشش کر کے ان کو حکومت کے محکمہ مال میں چپراسی کے طور پر تعینات کرایا۔ وہاں سے ان کو دور حاضر کی مختلف نوعیّتوں، دفتری نظم ونسق اور سیاسی وانتظامی چیزیں سیکھنے کو ملیں۔ ان تجربات کے نتیجے میں انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں حصہ ادا کیا یعنی ان تجربات کو مدنظر رکھ کر ان کو تعلیم، محنت اور سلیقہ مندی جیسی چیزیں سکھانے میں استعمال کیا۔

****

اسی دوران جب والد صاحب کا دعوت وتبلیغ سے تعلق ہوا تو اس کے بعد مکمل کایا پلٹ گئی، اور زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے پورے گھرانے کو ہی نہیں، اپنے ہمسایوں بلکہ افسروں کو جن کے دفتروں میں انہوں نے ملازمت کی تھی کو اس محنت میں لگانے کی کوشش کی۔ حتی کہ جن بزرگ اور مشائخ کے یہاں اور جن اونچے اونچے خاندانوں میں انہوں نے خدمت کی تھی وہاں بھی جا کر انہیں دعوت والے کام کی کارگزاریاں سنا کر ان کو دعوت کے کام کے لئے ابھارا، جس کا وہ حضرات اور ان کی اولاد بار بار تذکرہ کرتی رہتی ہے۔ والد صاحب ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جن گھروں میں میں نے خدمت کی یا کھانا پکایا ہے جب تم چھوٹے بچے تھے میں تم کو اپنے ساتھ لے جاتا تو ان کے آباء واجداد تم کو پیار سے گود میں لیتے بسکٹ کھلاتے دودھ پلاتے لہذا ان کے اس احسان کا خیال کیا کرو اب تم لوگوں کو اللہ تعالی نے علم دین عطا کیا ہے جس کی وجہ سے دنیا کے لوگ تمہارا احترام کرتے ہیں مگر تم اس سب کے باوجود ان بڑوں کی اس محبت کا بدلہ ان کے بچوں کے ساتھ شفقت کر کے دیا کرو۔

مرحوم احد میر کے تیسرے بیٹے غلام احمد میر تھے وہ بھی تہجد گزار، درود خوان اور پنج وقتہ نمازوں کے حاضر باش تھے۔ روزگار کے لئے گل کاری (تعمیرات کا کام) کرتے تھے۔ ہمیشہ جمعہ کے دن چھٹی رکھتے۔ چونکہ جامع مسجد قریب میں تھی اس لئے جمعہ کی نماز کے بعد ہمیشہ ان کے گھر میں کشمیری نمکین چائے اور روٹی کا دسترخوان چلتا تھا، بعض محلے والے اور دور دراز کے رشتہ دار اس میں

****

شریک ہوتے تھے۔

دادا مرحوم کے سب سے آخری اور چھوٹے بیٹے محمد میر اپنی نوجوانی میں برصغیر کی تقسیم سے پہلے کشمیری شال بیچنے والے تاجروں کے ساتھ خدمت کرنے، اور کھانا پکانے کے ملازم ہوکر گئے۔ سفر میں ہونے کی وجہ سے سن 1947ء میں تقسیم برصغیر کے موقعہ پر کراچی میں ہی رہ گئے اور پھر واپس نہیں آسکے۔

تقدیر الٰہی سے کھانا پکانے کی مزدوری کرتے ہوئے پاکستان کے گورنر جنرل سردار عبدالرب نشتر کے باورچی بن گئے۔ جنہوں نے ان کو نیشنل بنک آف پاکستان میں چپراسی کے عہدہ پر ملازمت دی۔ پھر پاکستان اور سعودی عرب کے مشترک بنائے گئے بینک ''الجزیرہ بینک'' کے قائم ہونے پر سعودی عرب والی شاخ میں جدہ بحیثیت چپراسی بھیج دیا۔ اس طرح ان کی حرم شریف کی حاضری کا دروازہ کھلا۔ ان کو وفات سے چند سال قبل اپنی بڑی بہن یعنی ہماری پھوپھی کے شدید بیمار ہونے پر صرف ایک بار کشمیر آنے کا ویزا ملا۔ اور اس کے چند سال بعد پھوپھی جان یہاں وفات پاگئیں اور مذکور چچا جان کراچی میں وفات پاگئے۔ ان کے بعد مزید دو چچا اور ہمارے والد صاحب یکے بعد دیگر اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ہمارے والد سن 2010 عیسوی میں رمضان المبارک کے اخری عشرہ میں مسجد شریف میں مغرب باجماعت ادا کرنے کے بعد گھر آکر امام صاحب کو افطار کراتے ہوئے اللہ سے ملے۔ اس سال حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور خلیفہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ

اللہ علیہ یہاں بانڈی پورہ میں قیام پذیر تھے رمضان المبارک یہاں گزارنے کی بناپر حضرت کے اکثر خلفاء بڑے بڑے علماء اور مقامی لوگ ایک ہزار سے زائد مسجد شریف میں معتکف تھے اسی حال میں جنازہ مسجد شریف سے باہر آگے کے صحن میں لایا گیا اور مسجد تک صفیں متصل تھی اندر باہر سبھی حضرات نے ان کے جنازہ میں شرکت کی۔

یہ سارے بھائی اخیر شب میں بیدار ہونے کے بعد تہجد تسبیحات اور درود شریف کے پابند تھے۔ کراچی میں بھی قیام کے دوران احقر نے بارہا دیکھا کہ چچا مرحوم اذان سے بہت قبل اٹھ کر کشمیری روایت کے مطابق بالجہر درود شریف ،اسکے درمیان نعت پڑھتے رہتے تھے مصلی پر بیٹھے بیٹھے اذان تک یہ وقت گزارتے تھے فجر کی اذان ہوتے ہی بچوں کو آوازیں دینا شروع کرتے تھے کہ اٹھ کر نماز کی تیاری کرو۔

وہاں پر ان کے دو بیٹے، چار بیٹیاں اور ان کی اولادیں موجود ہیں۔ ان اولاد میں سے ایک پوتے مفتی محمد عمار میر دارالعلوم کراچی سے عالم، فاضل ہوئے بعدۂ جامعۃ الرشید سے افتاء اور ایم. بی.اے کر چکے۔ اور ایک بچی دارالعلوم کراچی کے شعبہ بنات سے عالمہ اور ایک نواسہ حافظ بھی ہوا۔ آٹھ دس سال قبل ان میں سے چند لوگ یہاں ہم رشتہ داروں اور عزیزوں سے ملاقات کے لئے ویزہ لیکر آئے تھے اور یہاں تمام عزیزوں رشتہ داروں سے ملاقات کی۔ وہ لوگ والدہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے۔ پرانی یادیں، اس زمانے کی کہانیاں اور اپنے بڑوں کے

حالات وواقعات کا تذکرہ سنتے۔ پرانے وطن کو دیکھتے یہاں کے پہاڑوں ،آبشاروں ،کھیتوں ،ندی نالوں اور قدرت کی عنایتوں کا نظارہ کرتے اور اپنے احوال کا ذکر کرتے۔

ان بوڑھوں اور عمر رسیدہ لوگوں میں سے اب اخیر میں صرف ہماری والدہ ہی باقی رہ گئی تھیں اور والدہ کا نام ہی اب دادی ہوگیا تھا اسی سے سبھی ان کو پکارتے۔ لیکن کس کو معلوم تھا کہ دادی اس حال میں دنیا سے رخصت ہوں گی کہ ان میں سے کسی کو نہ ہی دادی کی عیادت نصیب ہوگی نہ جنازہ میں شرکت۔ بلکہ وہ تعزیت بھی نہیں کرسکیں گے۔ کیونکہ ہندوستان پاکستان کے موجود حالات کے تناظر میں وہ لوگ شدید تڑپ کے باوجود ہماری والدہ جوان کی چاچی (اتائی) لگتی تھی کی عیادت، جنازہ میں شرکت یا تعزیت کے لئے آمد سے بھی محروم رہے۔ اسی لئے فون پر تعزیت اور اظہار غم کیا۔ چاہتے تھے کہ وٹساپ پر یا موبائل پر اپنی چاچی کی میت دیکھ لیں مگر وہ بھی مقدر نہیں تھا ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس لئے یہ حسرت بھی دل کی دل میں ہی رہ گئی۔ مگر شرعی ایصال ثواب، دعائے مغفرت اور ان کے لئے اللہ پاک کی بارگاہ سے جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرمانے کی درخواست ان چیزوں کو نہ دنیا کی سیاسی تقسیم روک سکتی ہے اور نہ ہی سرحدوں کے حدود۔ یہ تو مالک وخالق کائنات نے اپنے ہر بندہ کے لئے دروازہ کھلا رکھا ہے چاہے وہ بحر میں ہو یا بر میں، خشکی میں ہو یا دریا میں، وہیں سے اپنے مولیٰ

****

حقیقی کو آواز دے کر پکار کر اس کو خطاب کرسکتا ہے وہ دروازہ مخلوق کی گرفت سے آزاد ہے۔ اس لئے کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔ لہذا دعاؤں اور ایصال ثواب کے ذریعہ اس دنیا سے رخصت ہونے والے مرحومین کو نفع پہونچانے کا سلسلہ شریعت نے جاری رکھا ہے۔

یہ دنیا فانی ہے اور یہاں کسی کو ہمیشہ رہنا نہیں جو بھی آیا ہے سب کو واپس کسی نہ کسی دن جانا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب مبارک ارشاد فرمایا کہ: جس کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی حاصل کرے۔ یعنی یہ سوچے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت پر صبر کرلیا تو اس کے مقابلے میں یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ: یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی ایسی چیز ہے کہ ماں باپ اعزہ احباب بیوی اولاد ہر شخص کی جدائی اور موت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی اور موت کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی ۴۳۸)

یہ بہت بڑی تسلی کی چیز ہے اور واقعی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ورحمت ہے کہ ہر مرحلہ پر امت کی تربیت، تسلی اور تشفی پر مشتمل ارشادات مرحمت فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالی ساری امت مسلمہ کو نیز ہمیں دنیا میں ان کا اتباع اور اطاعت نصیب فرمائے اور آخرت میں شفاعت سے سرفراز فرمائے (امین)

****